بشپ سبحان
ایک صوفی کی داستانِ حیات

بشپ سُبحان

ایک صُوفی کی داستانِ حیات

از

تقدس مآب عالیجناب بشپ عبدُالسُبحان صاحب بی-اے-بی-ڈی

با اجازت پنجاب رِلیجس بُک سوسائٹی، انار کلی، لاہور

مسیحی اشاعت خانہ

۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور

بار ________ پنجم
تعداد ________ پانچ سو
قیمت ________ ۱۸ روپے

سنہ ۲۰۰۶ء

مینیجر مسیحی اشاعت خانہ ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور نے حیدری پریس، لاہور سے چھپوا کر شائع کیا۔

ڈیڈیکیشن

بعالیخدمت

تقدس مآب عالیجناب بشپ بی۔ ٹی ریڈلی صاحب

ڈی۔ ڈی ، ایل۔ ایل۔ ڈی

جن کے ارشاد کی تکمیل میں یہ رسالہ لکھا گیا۔

پیش لفظ

میں ۱۹۳۵ء سے تقدس مآب بشپ جان عبدالسبحان صاحب کی ذات گرامی سے مانوس ہوں ۔ ان ایام میں آپ ڈی مارٹن سکول لاہور میں اسلامیات کے پروفیسر تھے اور میں سینٹ جانز ہوسٹل مہاں سنگھ باغ میں حصول تعلیم کے سلسلہ میں مقیم تھا ۔ آپ کا بنگلہ ہمارے ہوسٹل کے عین پیچھے تھا' اس لئے تقریباً ہر روز آپ سے علیک سلیک رہتی تھی ۔ یہ ایسا دور تھا جب کہ پنجاب میں مذہبی تبادلہ خیالا ، اور بحث و مباحثہ کا بازار گرم رہتا تھا اور لاہور میں مسیحی دینی علما مختلف مجالس میں تقریریں کرتے اور آتے جاتے نظر آتے رہتے تھے ۔ ان مجالس میں پادری علی بخش مرحوم' پادری سلطان محمد خان پال مرحوم' پادری عبدالحق صاحب' پادری برکت اللہ صاحب اور پادری جان سبحان صاحب ثریا کی طرح چمکتے ہوئے نظر آیا کرتے تھے ۔ سبحان صاحب کی تحریروں اور تقریروں کا یہ عالم تھا کہ آپ کے قلم و زبان کی جادو بیانی سے علم و معرفت کی پھول جھڑیاں جھڑتی تھیں ۔ عربی' فارسی' اردو' انگریزی اور بنگلہ وغیرہ تو آپ کے گھر کی باندیاں ہیں ۔ آپ کی زبان میں شیرینی ہے اور آپ کی دلائل میں منطق و فلسفہ' سچائی و خلوص اور حقیقی مسیحی روحانی زندگی کی جھلک نظر آتی ہے ۔ آپ کلیسیائے لاہور کے ایک قابل فخر رکن سمجھے جاتے تھے ۔

۱۹۴۱ء میں ایک بار پھر مجھے آگرہ شہر میں آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ۔ آپ میرے ایک جگری دوست پادری پروفیسر این ۔ تموتھی صاحب ایم ۔ اے کے ہاں مہمان تھے ۔ جب میں وہاں پہنچا تو مجھے مل کر بے حد خوش ہوئے اور گلے لگ کر ملے ۔ اس شام ہم نے کٹروے کے گرجے کو خوب سجایا'

کیونکہ اگلا دن مجبور کا اتوار تھا۔ آپ نے دوسرے دن زکریاہ ۹ : ۹ پر وعظ فرمایا۔ گرجا کھچا کھچ بھرا تھا اور آپ کی میٹھی آواز اور گہرے خیالات سے سامعین پر بے حد اثر ہوا۔ آپ کے ہر لفظ میں تاثیر تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ مسیح مصلوب پر ایسے فدا ہیں جیسے شمع پر پروانہ قربان ہوتا ہے اور پھول پر بلبل مرتی ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد جب آپ بشپ کے عہدہ پر فائز ہوگئے تو میں آپ کو ایک دفعہ پھر اجمیر کونشن میں ملا۔ اس شام آپ نے بڑی عبادت میں ایک مئوثر اور علم و معرفت سے لبریز وعظ فرمایا تھا۔ عبادت کے بعد جب آپ لوگوں سے مل رہے تھے تو میں بھی ان کے روبرو کھڑا ہوا اور مئودبانہ کہا "سبحان صاحب! اب آپ بشپ ہیں۔ امید ہے کہ آپ مجھے پہچانتے ہیں۔" یہ الفاظ سنتے ہی آپ لپک کر آگے آئے اور دونوں ہاتھ بڑھا کر بغلگیر ہوئے اور مسکرا کر کہا "میں کچھ بھی بن جاؤں لیکن میں اپنے دوستوں کو کبھی نہیں بھولوں گا بلکہ اب تو میں خداوند مسیح کے نام سے سب کا خادم ہوں۔"

ان سب باتوں کو بیان کرنے کا مطلب محض یہ ہے کہ بشپ جان سبحان صاحب کی زندگی میں خداوند المسیح کی قدرت ' محبت اور اخوت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ آپ کی مسیحی زندگی ان اشجار کی طرح پھلدار و شاداب ہے جو کسی ندی کنارے پر اگے ہوتے ہیں۔

آپ کی یہ کتاب آپ کی پھلدار زندگی کا ایک دلچسپ باب ہے۔ اس کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کس طرح اپنے نجات دہندہ کو تلاش کیا اور بالآخر اسے پایا اور پھر اس کی قوت و حکمت سے آپ مقام الاعلیٰ تک جا پہنچے جہاں سے آپ کی گواہی عوام و خواص پر خداوند المسیح کی قدرت کو آشکارا کرتی ہے۔

بشپ بی۔ ٹی بیڈلی مرحوم نے آپ کی گواہی کے متعلق ذیل کی چند باتوں کو قلمبند کیا ہے۔

اول :- "یہ احوال ایک سچے اور دیانتدار مسلم صوفی کے ہیں جو تلاش حق کی ہر منزل کا تذکرہ کرتا ہے' جہاں اس نے اپنی روح کے لئے ایک عجیب ڈھنگ اور غیر متوقع طریق سے اطمینان حاصل کیا۔"

دوم :- "جان سبحان کی تبدیلی زندگی کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک بات (اس کے اپنے خیال کے مطابق) انجیل مقدس کی تلاوت تھی' نہ کہ کسی کی تعلیم یا وعظ کا اثر' جس نے اسے زندگی کی راہ دکھائی۔"

سوم :- "روح کی تلاش کے اس تازہ انکشاف کا ایک پہلو یہ تھا کہ اگرچہ اس کی دلی مراد ایک غیر متوقع اور نامعلوم مقام پر بر آئی تاہم اسے یہ گوہر مقصود لڑکپن کے زمانہ ہی میں حاصل ہوگیا۔"

چہارم :- "اسے منجی عالم کا شخصی تجربہ حاصل ہوا' اور یہ کہانی بیان کرتی ہے کہ کس طرح اس نے اپنے نجات دہندہ کو ڈھونڈا اور اسے پالیا۔"

امید واثق ہے کہ یہ کہانی ہر متلاشی حق کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگی اور وہ بھی خداوند المسیح کو ڈھونڈ کر اس میں دائمی اطمینان اور غیرفانی خوشی پائے گا۔

۱۰ ستمبر ۱۹۹۳ء

احقر الناس :- اصغر فضل الٰہی پال

تمہید

عرصہ دراز سے میرے مسیحی اور غیر مسیحی احباب مجھ سے تقاضا کر رہے ہیں کہ میں اپنے مسیحی ہونے کے اسباب و کوائف کو رسالہ کی صورت میں پیش کروں لیکن میں اپنی زندگی کے مذہبی تجربے کو منظر عام پر لانے سے اب تک گریز ہی کرتا رہا' کیونکہ میرے تبدیلی مذہب کے واقعہ میں مجھے نہ ہی کوئی ایسی عجیب و غریب بات نظر آتی ہے اور نہ ہی یہ واقعہ کسی علمی تحقیقات کا نتیجہ ہے کہ جس کی بنا پر میں اسے ناظرین کے قابل توجہ سمجھ کر شائع کراتا اور انہیں اس کے پڑھنے کی زحمت دیتا ۔ لیکن ۱۹۳۲ء میں اپنے بزرگ بشپ پی ۔ ٹی بیڈلی صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں اپنے اس تجربہ کی کہانی کو پہلی مرتبہ انگریزی زبان میں شائع کرانے پر مجبور ہوا' جس کی دو ایڈیشنیں "ایک صوفی نے خدا کو کس طرح پایا" کے نام سے جو خود بشپ صاحب موصوف کا رکھا ہوا نام ہے ایک سال کے اندر شائع ہوئیں اور اب پھر بشپ صاحب موصوف کے ارشاد اور احباب کے اصرار پر اپنی کہانی اردو زبان میں ہدیہ قارئین کرام ہے جن سے اپنی اس گستاخانہ جرات کی کہ میں اپنی ہی زندگی کی کہانی اپنے قارئین کے سامنے پیش کر کے ان کے اوقات میں مخل ہو رہا ہوں' معافی چاہتا ہوں ۔

عالی جناب بشپ پی ۔ ٹی بیڈلی صاحب اور دیگر احباب کے ارشاد و اصرار کی تعمیل کی وجہ سے بالخصوص یہی ہے کہ میری زندگی کے اس تجربہ میں جس کی کہانی آپ کے سامنے ہے' میں ایک نادیدہ ہاتھ کام کرتا ہوا پاتا ہوں' جس نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی اور یہ ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے ۔ میری زندگی کا مذہبی

تجربہ میری اپنی دریافت کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کے فضل کا کرشمہ ہے۔ اسی باعث خدا کی اس پہچان میں جو خداوند یسوع مسیح کی معرفت مجھے حاصل ہے، میرے لئے فخر کی گنجائش نہیں بلکہ شکر کا موقع ہے۔ میری اپنی لیاقت کا اظہار نہیں بلکہ اس کے کام اور فضل کی یہ گواہی ہے اور میری دلی آرزو یہی ہے کہ میری اس کہانی کے وسیلہ جو درحقیقت خدا کی پرفضل قدرت کے اس ظہور کا بیان ہے جو میری گنہگار زندگی میں ہوا، خدا کا نام جلال پائے اور اس کی ہی تمجید و ستائش ہو۔

جان عبدالسبحان

تاریخ کا ایک ورق

دنیا کے فاتحین میں قوم مغلیہ کا شمار صف اول میں رہا ہے ان کے جنگی کارناموں کی داستان پورے طور پر تاریخ ضبط تحریر میں لانے سے قاصر ہے۔ تیرھویں صدی عیسوی میں مغل قوم نے پورے وسط ایشیا پر قبضہ جما لیا تھا اور اپنی سلطنت کی ڈھاک دنیا کی باقی تمام سلطنتوں پر بٹھا دی تھی۔ ان کی فتوحات کا یہ حال تھا کہ شہنشاہ ہند غیاث الدین بلبن کی عہد سلطنت میں مفتوح بادشاہ اور روساء اور علماء وقت مغل فاتحین کی شمشیر سے بھاگ کر دہلی میں پناہ لے رہے تھے اور خود شہنشاہ بلبن کے قول کے مطابق کم از کم پندرہ سلاطین اس کے یہاں پناہ گزیں تھے۔ آخرکار ۱۳۹۸ء میں تیمور لنگ نے بھی ہندوستان کو مغلیہ حملوں کی زد سے محفوظ نہ رہنے دیا اور اس حملہ کے قریب سوا سو سال بعد بابر نے جو تیمور کی چھٹی پشت میں تھا، ۱۵۲۵ء میں سلطنت مغلیہ کی بنیاد ہندوستان میں ڈال دی، جو دو سو پچاس سال تک پورے تزک و احتشام کے ساتھ قائم رہی اور جس کے آثار اب تک اس کے گذشتہ جاہ و جلال کی یاد تازہ کرنے کو باقی ہیں۔ شاہ عالم کا دور حکومت سلطنت مغلیہ کی آخری سانس تھی۔ ان ہی کی عہد سلطنت میں احمد شاہ ابدالی والی افغانستان نے اس نیم مردہ سلطنت پر حملہ کر دیا اور دہلی کو برباد کرنے کے بعد شاہ عالم کے بڑے بیٹے شہزادہ جہاندار شاہ کو نائب سلطنت مقرر کر کے مال غنیمت لے کر واپس افغانستان گیا۔ ۱۷۸۴ء میں جہاندار شاہ سلطنت کی بدانتظامی سے تنگ آکر اس کی بگڑتی ہوئی حالت کو سدھارنے کے لئے اپنے آپ کو ناقابل پاکر دہلی سے نکل کھڑے ہوئے۔ رات

کا وقت تھا جب جہاندار شاہ دہلی سے اپنے ہمراہیوں کو لے کر چل پڑے اور لکھنؤ پہنچے جہاں نواب وزیر آصف الدولہ کو میزبانی کا شرف بخشا تو وارن ہیسٹنگز بنگال کے گورنر اتفاق سے اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کے کسی کام کی غرض سے لکھنؤ میں موجود تھے اور کسی سمجھوتہ کی بنا پر وارن ہیسٹنگز کی لکھنؤ سے روانگی کے وقت ان کی معیت میں اپنے لوگوں کو لے کر لکھنؤ سے بنارس پہنچے اور وہیں اقامت اختیار کی ۔ گنگا کنارے وہ مقام جو اب محلّہ شوالہ کہلاتا ہے آپ کی سکونت کے باعث اودھ محال کہلایا کیونکہ آپ لکھنؤ کے صوبہ اودھ سے تشریف لائے تھے اور اس وقت آپ کے اہل کاروں میں بہت سے لوگ اب اودھ ہی کے تھے ۔

میرے آباؤ اجداد جو قومیت کے اعتبار سے مغلیہ خاندان سے تھے ' قدیم زمانہ سے سلطنت مغلیہ کے دربار میں پشت ہا پشت سرکاری خدمات انجام دینے کا فخر حاصل کر چکے تھے اور شہنشاہ شاہ عالم کے عہد میں انہوں نے شہزادہ جہاندار شاہ کا ساتھ دیا اور ان کے ہمراہ بنارس میں سکونت اختیار کی اور یوں اودھ محال میرے دادا غلام غوث کے زمانہ تک میرے آباؤ اجداد کا مسکن رہا ۔ زمانہ انقلاب نے نہ صرف اودھ محال ہی کا نشان مٹا کر کچھ کا کچھ کر دیا بلکہ اس قدیم قبرستان کا بہت کچھ حصہ جس میں میرے قدیم بزرگوں کی ہڈیاں مدفون ہیں موجودہ آبادی میں شامل کر کے پرانی قبروں کا نشان تک مٹا ڈالا ۔

۱۸۵۷ء میں ہندوستان کا وہ خونیں واقعہ ظہور میں آیا جو غدر کے نام سے مشہور ہے ۔ غدر کے بعد انگریزی اقتدار اور تسلط کے دوبارہ قائم ہونے پر ان تمام لوگوں کو جن پر اس جنگ میں انگریزوں کے خلاف شریک ہونے کا الزام لگایا گیا تھا اور مجرم قرار دیئے گئے تھے ' سخت سے سخت سزائیں دی گئیں ۔

میرے اجداد جن کی خاندان مغلیہ کے آخری تاجدار کے ساتھ وفاداری اور جاں نثاری میں ہندوستان میں انگریزی تسلط کے قائم ہونے پر بھی سرمو فرق نہ آیا تھا ' بغاوت کے شبہ سے بچ نہ سکے ۔ مکانوں کی تلاشی ' سرسری مقدمات کی تفصیل اور سزائے پھانسی کے تذکرے جن کا خاندان کے بزرگوں کو سامنا کرنا پڑا تھا 'گھر میں بڑے بوڑھے کل تک سنایا کرتے تھے ۔ بعض بزرگوں کو بغاوت کی سزا دی گئی ۔ بعض اپنا نام و پیشہ بدل کر کچھ کے کچھ بن گئے اور کل ایسی چیزیں جن سے دربار مغلیہ کے ساتھ کسی قسم کے تعلق کا اظہار ہوتا تھا بالکل مٹا ڈالی گئیں ۔ سندات اور خلعات جو خاندان میں محفوظ چلی آرہی تھیں ' یک لخت برباد کر دی گئیں ۔ میرے دادا غلام غوث نے ایک تاجر کی حیثیت اختیار کی اور میرے والد حافظ الہٰ بخش نے کہ جنہوں نے بچپن ہی میں قرآن حفظ کیا تھا کسی مہربان استاد کے پاس زردوزی اور کارچوبی کے کام میں بڑی مہارت حاصل کی اور اس ہنر میں اپنے زمانہ کے استاد ثابت ہوئے ۔ اور جب اپنے وطن بنارس میں کافی شہرت حاصل کر لی تو اس فن کے چند کاریگروں کو لے کر آپ کلکتہ آئے جہاں سب سے پہلے زردوزی کا کارخانہ آپ نے کھولا ۔

پیدائش اور ابتدائی تعلیم و تربیت

یوں انقلاب زمانہ نے کلکتہ میرا وطن قرار دے دیا جہاں محلہ کولوٹولہ میں ۱۸۹۷ء کے لگ بھگ میری پیدائش ہوئی ۔ یہ محلہ گو اب تک اپنے قدیم نام سے معروف ہے اور جسے کلکتہ کی بدلتی حالت نے کچھ ایسا بدلا ہے کہ نام تو باقی ہے مگر پرانا نشان تک مٹا ڈالا ۔ نہ اب وہ سڑکیں ہیں اور نہ گلیاں ' محض نام

ی نام ہے ۔ میری پیدائش پر محلہ کے ایک بزرگ نے جنہیں آس پاس کے لوگ عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ' میرے برادر اکبر عبدالرحمٰن کے وزن پر میرا نام فضل الرحمٰن رکھا ۔ مگر میرے والد نے مجھے عبدالسبحان کے نام سے پکارا اور یہی نام چل پڑا ۔ میرے بچپن ہی کے زمانہ میں دو اور بھائیوں کا خاندان میں اضافہ ہوا ۔ ایک کا نام عبدالستان رکھا گیا اور چوتھے بھائی کے پیدا ہونے پر گو قافیہ کی رعایت سے نام عبدالحنان رکھا گیا تھا مگر کسی سبب سے ان کے قافیہ کو میم سے بدل کر عبدالسلام رکھنا مناسب سمجھا گیا ۔

میرے والد سنجیدہ مزاج ' گھر میں کم سخن مگر باہر مذہبی گفتگو کے موقعوں پر جوشیلے اور خوش گفتار تھے ۔ اور حقیقی معنوں میں خدا پرس اور مذہب کے رسیہ طریق سے متنفر واقع ہوئے تھے ۔ آپ کو اپنے کارخانہ کے کام اور احباب میں بیٹھ کر مذہبی تقریر کرنے اور کتب بینی سے فرصت بہت کم ملتی تھی کہ گھر میں بچوں کی تعلیم و تربیت کی طرف متوجہ ہوتے اور اس وجہ سے گھر پورے کے انتظام کی واحد مختار میری والدہ محترمہ تھیں ۔ بچوں کی تعلیم و تربیت آپ ہی کے سپرد تھی ۔ آپ ہی اچھے سے اچھے کتب کا سراغ لگا کر اور نیک سے نیک استاد کی تلاش کر کے ہماری تعلیم کا انتظام کرتی تھیں ۔ تربیت کا یہ حال تھا کہ گالی گلوچ تو دور کی بات ہے ناشائستہ یا غیرمہذب الفاظ کا زبان سے نکالنا ' بیڑی یا سگریٹ کا پینا' پان کھانا جو کلکتہ کے لڑکوں میں عام بات تھی ' بچوں کے لئے سخت معیوب سمجھا جاتا ہے ۔ اپنی والدہ اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی زیر تربیت سڑک پر یا گلی میں محلہ کے کسی لڑکے کے ساتھ کھیلنے کی مطلق اجازت نہ تھی اس وجہ سے بچوں کے کھیل سے مثلاً پتنگ بازی ' گلی ڈنڈا وغیرہ سے میں ہمیشہ ناواقف رہا اور کسی قسم کا کھیل آج تک میری سمجھ میں نہ آیا ۔ پان اور

سگریٹ سے اس قدر نفرت طبیعت میں جم گئی تھی کہ پان اور سگریٹ کی دوکان کے قریب کھڑے ہوتا ہی میں جرم خیال کرتا تھا۔ گو کبھی اس قسم کے جرم کی پاداش میں سزا پانے کا موقع ہی نہیں ہوا تھا تو بھی اگر کسی پڑوسی کے ہمراہ کسی تنبولی کی دوکان کے قریب ٹھہرنے کا اتفاق ہوتا تو کسی نہ معلوم خوف کے باعث جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔

میری والدہ کے طریق تربیت میں جسمانی سزا کو بہت کم دخل تھا اور آپ ہمیشہ اس کے خلاف تھیں تو بھی ایک موقع پر اس قسم کی تادیب کو میں کبھی نہیں بھولا۔ جہاں تک قیاس کام کرتا ہے یہ واقعہ اس وقت کا ہو گا جبکہ میری عمر ابھی صغیر سنی کی حد سے تجاوز نہیں کر چکی ہو گی۔ مکان کی دہلیز کے باہر پڑوس کے کسی شخص نے گلی کے سرے پر تنبولی کی ایک دوکان کی طرف اشارہ کر کے ایک رومال دے کر مجھ سے درخواست کی کہ وہاں جا کر یہ رومال دوکان پر دے آؤں مگر تنبولی کی دوکان سے مجھے سخت وحشت تھی چنانچہ میں نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا اور ہر چند وہ بیچارہ منت و سماجت کرتا رہا مگر میں نے اس کی ایک نہ سنی۔ دروازہ کے پیچھے پردہ کی آڑ میں میری والدہ یہ سب کچھ سن رہی تھیں۔ میں جب گھر میں داخل ہوا تو میری ضد اور گستاخی کی مجھے سزا دی گئی۔ مگر تھوڑے عرصہ کے بعد گود میں لے کر آپ نے بڑے پیار سے سمجھایا کہ ضد اور گستاخی نہایت شرم کی بات ہے اور کہ دوسروں کی عزت کرنا اور ان کے حکموں کی تعمیل کرنا میرا فرض ہے۔

تعلیمی سلسلہ میں سب سے پہلے مجھے قرآن شریف کا ناظرہ ختم کرایا گیا اور ساتھ ہی اردو کی تعلیم دی گئی۔ قرآن شریف کے حافظہ کے ساتھ فارسی شروع کرائی گئی۔ اردو پڑھنے کی جب مہارت حاصل کر لی تو والدہ ہمیشہ مذہبی

کتابوں کے پڑھنے کی ترغیب دیتیں اور جب آپ کارچوبی کے کام پر بیٹھی ہوتیں تو ان کتابوں کو مجھ سے پڑھوا کر خود سنا کرتیں ۔ بعض اوقات کتاب بند کر کے میں اپنی والدہ کے پاس سوئی لے کر زردوزی کی سلائی سیکھنے میں مصروف ہو جاتا اور اس کام میں اگر مہارت نہیں تو کچھ شد بد ضرور حاصل کر لی ۔ مذہبی نقطہ نگاہ سے میرے والدین کٹرپن اور تعصب سے بالکل پاک تھے ۔ آپ دونوں عموماً کہا کرتے تھے کہ اپنا مذہب ہر ایک کو پیارا ہے ۔ جس طرح اسلام ہم مسلمانوں کو عزیز ہے ' اسی طرح ہندوؤں اور عیسائیوں کو ان کا اپنا مذہب پیارا ہے اس لئے کسی کے مذہب کی توہین کر کے کسی کی دل آزاری کرنا سخت جرم ہے ۔ بقر عید کے موقع پر آپ گائے کی قربانی کے سخت خلاف تھے اور بیجا یا بجا طور پر آپ مسلمانوں کے اس فعل پر جس سے ہندوؤں کی دل آزاری ہوتی ہے ' سخت افسوس کرتے تھے ۔ آپ کی یہ کشادہ دلی آپ کے سچے مسلمان ہونے کی مانع نہیں تھی ۔ والدہ ایک سچی خدا پرست اور رحمدل مسلمان خاتون تھیں ۔ فرائض کے ادا کرنے میں آپ بڑی محتاط تھیں اور نماز کے بعد عرصہ تک ہاتھ اٹھا کر دعا میں مصروف رہتیں ۔ بعد میں معلوم ہوا کہ آپ ہر عزیز کو نام بنام دعا میں یاد کرتی تھیں اور ہر غریب اور مفلس اور محتاج کے لئے دعا کرتی تھیں ۔ جب میں مسجد سے نماز باجماعت کے بعد گھر آتا تو آپ تبسم کے ساتھ ہمیشہ کلمات تحسین سے میری ہمت افزائی کرتیں اور پابندی نماز کی ترغیب دیتیں ۔ میرے والد کا انتقال ۱۹۲۳ء میں ہوا اور والدہ اس حادثہ کے پندرہ سال تک بیوگی کی زندگی ' عبادت و ریاضت میں بسر کرنے کے بعد مئی کی ۱۸ تاریخ ۱۹۳۹ء میں اس جہان فانی سے رحلت فرما گئیں ۔ والدہ کی زندگی کے آخری لمحات کے موقع پر میں حاضر نہیں تھا مگر میرے بھائی عبدالسلام نے آپ کے انتقال کے وقت کی

کیفیت مجھے لکھ بھیجی کہ موت سے قبل خاندان کے کل افراد سے مخاطب ہو کر
ان کو تلقین و ہدایت کی کہ جس باہمی محبت اور اخلاص کو میں تم لوگوں میں قائم
کر چلی ہوں ' خبردار ! اس میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہو اور جس طرح
میری زندگی میں تم سب مل کر اکٹھے الفت اور محبت کے ساتھ رہتے آئے ہو '
اسی طرح میرے بعد بھی رہنا اور پھر باقی لوگوں سے مخاطب ہو کر ان سے
رخصت ہوئیں ۔ اور ہر ایک سے اپنے دانستہ و نادانستہ قصوروں کی معافی مانگی
اور آخرکار استغفار اور کلمہ کی تلاوت کے ساتھ رحلت فرما گئیں ۔

تصوف سے میری دلچسپی

ابتدائی تعلیم و تربیت کا ذکر میں پیشتر کر چکا ہوں ۔ قرآن شریف کے
حفظ کرانے اور دینیات کی کتابوں کے پڑھانے سے میرے والدین کو مجھے حافظ
اور مولوی بنانا مقصود تھا ۔ گھر اور باہر کے مذہبی ماحول کا اثر بچپن ہی سے مجھ پر
کچھ ایسا پڑا تھا کہ صغیر سنی ہی سے اسلام کے ارکان پر عمل کرنا میں نے شروع
کر دیا تھا اور رفتہ رفتہ مولویوں اور اپنے مذہبی ہادیوں کے زیر اثر مجھے نہ صرف
غیر مسلموں سے سخت نفرت ہو گئی تھی بلکہ جو مسلمان اسلام پر عامل نہیں تھے
ان سے بھی مجھے سخت کراہیت تھی ۔ میرے نزدیک اسلام ہی صرف سچا اور
برحق مذہب تھا اور باقی مذاہب شیطانی اختراع تھے اور ان کے پیرو خدا اور اس
کے رسولؐ کے دشمن تھے ۔ ہندوؤں سے ان کی بت پرستی اور مسیحیوں سے ان
کے مشرکانہ عقائد کے سبب میں نہایت متنفر تھا ۔ انگریزی زبان میرے نزدیک
چونکہ مشرکوں کی بولی تھی ' اس لئے اس کا پڑھنا میرے نزدیک ناجائز تھا ۔

میرے ایک استاد جن سے میں فارسی اور عربی سیکھتا تھا اور جو محلہ کی مسجد میں رہتے تھے اور خود مدرسہ عالیہ کلکتہ کی عربی جماعت میں پڑھتے تھے، انگریزی سیکھنے کی غرض سے چند درسی کتابیں خرید کر لائے۔ جب مسجد میں یہ انگریزی کتابیں میں نے دیکھیں تو میری مذہبی غیرت جوش میں آئی اور انہیں پھاڑ کر پرزے پرزے کر ڈالا اور خود مولوی صاحب پر فتویٰ لگا دیا کہ "ایک مولوی کا مسجد میں کافروں کی زبان کا پڑھنا اور ایسی کتابیں رکھنا ناجائز ہے۔" مسجد کے دوسرے مسلمانوں نے میری تائید کی اور میرے استاد کو مسجد چھوڑ کر کرایہ کے کمرہ میں اقامت اختیار کرنی پڑی۔

میرے والدین اور بالخصوص میرے بھائی عبدالرحمٰن نے میرے اس کٹرپن کو اس طور سے ترقی پاتے دیکھ کر میری تعلیم میں تبدیلی کرنا مناسب سمجھا انہوں نے فیصلہ کیا کہ مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا جائے اور مجھے مجبوراً انگریزی کو سیکھنا پڑا یعنی کہ جس زبان سے نفرت تھی۔ چنانچہ مدرسہ عالیہ کی شاخ وڈ برن مڈل اسکول سے مڈل کا امتحان پاس کرا کر مدرسہ عالیہ میں داخل کرا دیا۔ بعض احباب کا گمان ہے کہ یہ تعلیمی تبدیلی آگے چل کر میرے تبدیلی مذہب کا باعث ہوئی، لیکن یہ خیال غلط ہے۔ جس چیز نے مسیحیت کی طرف میری رہنمائی کی وہ درحقیقت میری مذہبی زندگی تھی۔ اسلام کے مقابلہ میں باقی سارے مذاہب نہ صرف ہیچ و ناچیز بلکہ باطل اور لغو تھے۔ مجھے تو گمان تک نہ تھا کہ اسلام کے سوا دنیا میں کوئی اور مذہب بھی ہو سکتا ہے جو مذہب کہلانے کا حقدار ہو۔ میری حیثیت مذہبی اعتبار سے کسی طرح بھی ابتدا ایک متلاشی حق کی نہیں تھی گو آگے چل کر بن گئی اور اس کا آغاز مذہبی معاملات میں میری طبیعت متجسسانہ تھی۔ اس طبیعت کا اظہار مختلف

طریقوں سے ہوتا تھا ' بالخصوص پیغمبران اولوالعزم کی تعلیم اور صحائف آسمانی اور کتب ربانی کے متعلق کہ ان کی تعلیم کیا تھی ۔ توریت ' زبور اور انجیل میں خدا کے کون سے فرمان تھے اور زمین پر ان کی تلاوت کیوں منسوخ ہو گئی اور کبھی اس سوال کی صورت میں کہ مذہبی زندگی کا آخر مقصد کیا ہے ؟ کیوں خدائے بے نیاز بندوں سے نماز ' روزہ ' حج ' زکواۃ کا مطالبہ کرتا ہے یا یہ کہ انسان کو پیدا کرنے کا مقصد کیا ہے ؟ اس سلسلہ میں میں نے تصوف کا مطالعہ شروع کیا

فطرت انسانی کے اس تجسس کا تعلق درحقیقت ان دو بڑی تمناؤں سے ہے جنہیں فطرت نے ہر انسان کو ودیعت کی ہے ۔ مگر کچھ اس طرح انسان کے دل میں یہ چھپی ہیں کہ انسان عموماً ان سے بے خبر رہتا ہے گو مختلف طور سے یہ تمنائیں پھوٹ نکلنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں لیکن ظاہری احساسات کی ان گونا گوں کیفیات کے باعث جو انسان کی سطحی زندگی کو ہی زیادہ تر متاثر کرتی رہتی ہیں ' وہ ان کی موجودگی اور حقیقت سے نا آشنا رہتا ہے ۔ کبھی کبھی یہ باطنی تمنائیں عالم بے خبری میں بھی ایک کیفیت اضطراب یا ایک خواہش محض پیدا کر دیتی ہے کہ جس کی مثال ایک ایسی اشتہا سے دے سکتے ہیں کہ یہ نامعلوم ہو کہ یہ اشتہا کس چیز کے لئے اور کیوں ہے ۔ اصلاح میں ایک کا نام شوق حیات جاودانی اور دوسری کا نام معرفت الٰہی کی آرزو ہے ۔ ایک کا تعلق قلب سے اور دوسری کا تعلق علم سے ہے ۔ یہی وہ خفتہ تمنائیں تھیں جو مطالعہ تصوف سے جاگ اٹھیں ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی ظاہری اور تقلیدی باتوں سے میری دلچسپی کم ہونے لگی ۔ تصوف سے واقفیت حاصل کرنے سے قبل اسلام کے ظاہری ارکان کے پورا کرنے سے دل میں ایک سکون اور اطمینان پیدا ہوتا تھا ۔ فرائض و واجبات کے پورا کر دینے کے بعد سوائے اس کے کہ سنن و

نوافل کو ادا کرکے جو کمی ان کے بجا لانے میں رہ گئی ' وہ پوری ہو جائے یا کچھ زیادہ ثواب کما لوں اور کسی بات کی کمی کا احساس نہیں رہتا تھا ۔ مگر اب کیفیت ہی دوسری تھی ۔ دل کے اندر گویا یا کسی نامعلوم مقصد کا شوق جو اب تک سو رہا تھ مگر اب رفتہ رفتہ حالت بیداری میں آرہا تھا ۔ طبیعت اب مذہب کی ظاہری باتوں سے ہٹ کر باطنی باتوں کی طرف راغب ہو رہی تھی چونکہ میں صوفیائے کرام کی زندگی کا مطالعہ کر چکا تھا کہ کس سختی کے ساتھ شریعت پر عامل تھے ' اس لئے ان کے نمونہ کی تقلید کی کوشش میں ظاہری ارکان دین کو اسی مستعدی اور پابندی سے ادا کرتا رہا ' جس طرح اب تک ان پر عمل کرتا آیا تھا بلکہ اب پنجگانہ نماز کے علاوہ اور اردو وظائف کے اشغال کا بھی اضافہ کر دیا

لیکن چونکہ تصوف کا مطالعہ کسی استاد کی رہبری میں نہیں تھا اس لئے ہر چیز جس میں علم باطنی کی جھلک پائی جاتی تھی ' وہی میرے لئے تصوف کا درجہ رکھتا تھا ۔ اور حقیقی صوفی کی پہچان میرے نزدیک اس کا صاحب کرامات ہونا تھا اور یوں تصوف کے ابتدائی مطالعہ میں عملیات ' کرامات ' وظائف ' تسخیر جن ' تسخیر ہمزاد وغیرہ سب ہی کچھ شامل تھا ۔ غرضیکہ تصوف کی اس ابتدائی منزل میں عملیات ہی زیادہ تر میری دلچسپی کا مرکز تھا اور اس فن کے حاصل کرنے میں عاملوں کی تلاش میں رہتا تھا اور بجیری کتابیں اور قلمی بیاضیں مہیا کر لی تھیں ۔

حاضرات کا ایک عجیب واقعہ

انہی دنوں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ جس سے عملیات کے ساتھ میری دلچسپی اور بھی بڑھ گئی ۔ ایک روز شام کا وقت تھا میں کسی غرض سے اپنے

چھوٹے بھائی عبد الستار کے ہمراہ سڑک پر نکلا تھا کہ ایک شخص نے استفسار کیا کہ کیا مجھے اردو خط پڑھنا آتا ہے ! اثبات میں جواب پاکر اس نے بڑے پیار سے مجھے مجبور کیا کہ قریب ہی کے ایک مکان تک اس کے ہمراہ چل کر ایک خط پڑھ کر سنا دوں اس بہانہ سے وہ ہم دونوں بھائیوں کو کچھ فاصلہ پر ایک مکان کی دہلیز تک لے گیا جہاں میرے بھائی کو باہر کچھ لوگوں کے پاس چھوڑ کر اندر ایک کمرہ میں جو دہلیز سے لگا ہوا تھا داخل ہونے کو کہا ' اور ایک چراغ کے سامنے جو ایک اینٹ پر جل رہا تھا بٹھا دیا ۔ قریب ہی ایک شخص چارپائی پر ایک کتاب کھولے وظیفہ پڑھنے میں مشغول تھا ' جس نے کچھ دعا پڑھ کر میری پیشانی اور آنکھ پر دم کیا اور مجھے ہدایت کی کہ ٹکٹکی باندھ کر چراغ کی لو کو دیکھتا رہوں اور پھر اس قسم کا سلسلہ کلام شروع کیا ۔

شخص :- کیا اس چراغ کی لو میں تمہیں کچھ نظر آتا ہے ؟

میں :- جی نہیں

شخص :- اچھا غور سے دیکھتے رہو اور جب کچھ نظر آئے تو مجھے بتا دینا ؟

میں :- تھوڑے عرصہ کے بعد ایک وسیع میدان دکھائی دے رہا ہے ' جہاں ایک شخص جھاڑو دینے میں مصروف ہے ۔

شخص :- بہت خوب ۔ اسے سلام پہنچاؤ اور کہو کہ درخواست ہے کہ فلاں صاحب کی (نام لے کر) مجلس عدالت قائم کی جائے ۔ جب یہ پیغام اس خاکروب کو پہنچا دیا گیا تو تھوڑے ہی عرصہ میں ایک میز لا کر رکھ دی گئی اور اس کے گرد قرینے سے کرسیاں لگا دی گئیں اور کچھ لوگ آکر ان کرسیوں پر بیٹھ گئے اور ایک شخص جو صدر معلوم دیتا تھا ' میز کے سرے کی کرسی پر بیٹھ گیا ۔

جو کچھ مجھے نظر آتا تھا میں برابر اس شخص سے کہتا جاتا تھا ۔ مجھ سے کہا گیا کہ صاحب صدر (نام لے کر) کی خدمت میں سلام عرض کروں اور درخواست کروں کہ جس نے فلاں صاحب کی چوری کی ہے وہ مع چوری کے مال کے حاضر کیا جائے ۔ اس پیغام کے ادا کرنے پر ایک شخص جو صاحب صدر کے پیچھے کھڑا تھا چلا گیا اور تھوڑے عرصہ میں ایک شخص کو لے کر حاضر ہوا اور ساتھ ہی ایک صندوق اور ایک لوٹا اور کئی ایک اور چیزیں میز پر لا کر رکھ دیں ۔ مجھ سے ان چیزوں کی تفصیل دریافت کی گئی اور صندوق کے اندر کی چیزیں کھول کر دکھائی گئیں اور ان کی تفصیل بھی میں نے عامل کو بتا دی ۔ چیزوں کی تفصیل ختم ہونے پر میری معرفت چور کا نام و پتہ لکھ کر دکھانے کو کہا گیا ' مگر چونکہ خط اس قسم کا تھا کہ اسے صحیح طور پر پڑھنے سے میں قاصر رہا ' اس لئے مجھے ہدایت کی گئی کہ میں درخواست کروں کہ خوش خط لکھ کر یہ باتیں بتائی جائیں ۔ اس پر مجھے صفائی سے لکھ کر دکھایا گیا ۔ کلو ' محلہ بڑھی پاڑہ اور مکان کا نمبر جو ذہن سے فراموش ہو گیا ہے ۔ غرضیکہ چوری کی اشیا کی تفصیل اور چور کا نام و پتہ معلوم کرنے کے بعد مجھے ہدایت کی گئی کہ عامل کی طرف سے موکلوں کا شکریہ ادا کر کے اور اسلام کہہ کر ان کو رخصت کروں ۔

عملیات کا یہ وقعہ ایسا نہیں تھا کہ جسے باسانی نظر انداز یا فراموش کر دیتا چنانچہ اس کے بعد عملیات سے میری دلچسپی اور بھی زیادہ بڑھ گئی اور بڑی سرگرمی کے ساتھ عملیات کی مشق کرنے لگا ۔ نقش بھرنے ' زکوۃ دینے ' چلہ کشی کے طریقوں سے واقفیت حاصل کی اور رفتہ رفتہ محلہ بھر میں عامل کی حیثیت سے مشہور ہو گیا ۔ عملیات کا مطالعہ اور عمل میرے حق میں ایک اعلیٰ اور افضل منزل کی طرف بڑھنے کا وسیلہ ثابت ہوا ۔ اگر بہ نظر غور دیکھا جائے

تو عملیات کا تعلق ایسی دنیا سے ہے جو عالم حسیات سے پرے ہے اور ان کی اصلیت خواہ کچھ بھی ہو لیکن ان سے انسانی دلچسپی اس بات کا انحصار ہے کہ احساسات سے باہر ایک اور دنیا بھی ہے' جس کی موجودگی پر انسانی فطرت کا یہ تقاضا شاہد ہے۔ دوسرے الفاظ میں بعض اوقات احساسات سے باہر کی چیزوں میں جن میں عملیات بھی شامل ہیں' انسان کی دلچسپی یہ ظاہر کرتی ہے کہ عالم احساسات کے پرے اور موجوادت مادی کے مافوق ایک ایسی دنیا بھی ہے جسے حواس خمسہ محسوس نہیں کر سکتے مگر روحانی تجربہ میں یہ دنیا آسکتی اور آتی ہے۔

عامل سے کامل بننے کی کوشش

وڈیرن اسکول میں موسم گرما کی تعطیل کا میرا پہلا موقع تھا کہ میں اپنی والدہ کے ہمراہ ریل کا سفر کر کے بنارس اپنے نانا کے گھر چھٹیاں بسر کرنے گیا۔ زندگی میں ریل کے سفر کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ میرے نانا مولوی چراغ علی حنفی و قادری ایک صوفی تھے۔ آپ نے عملیات میں میرا شوق دیکھ کر ایک دن بڑی شفقت سے فرمایا کہ بیٹا بجائے عامل کے کامل بننے کی کوشش کرو۔ جب انسان کامل بن جاتا ہے تو پھر عامل کی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ پھر آپ نے اپنے ان کلمات کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ کامل وہ شخص ہے جو تصوف کے احوال و منازل طے کر کے واصل باللہ کے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے اور اس کے سامنے دنیا کے بادشاہوں بلکہ فرشتوں کی بھی کچھ حقیقت نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں خدا کو پا لینا زندگی کا سب سے بڑا درجہ ہے۔ میری زندگی

کے مذہبی تجربہ میں یہ ایک یادگار دن ہے جس دن زندگی کی یہ بڑی حقیقت میرے سامنے رکھی گئی کہ انسان کا سب سے بڑا مقصد کرامت نہیں اور نہ ہی بہشت کی نعمتوں کا حاصل کرنا ہے بلکہ خدا کی قربت اور خدا کو پالینا ہے۔ ؟؟ صاحب کی زیر ہدایت میں نے باقاعدہ تصوف کا مطالعہ شروع کیا۔ سلوک کے منازل اور احوال کے مطالعہ سے ایک نئی کیفیت دل پر طاری ہوئی۔ تجلی اور معرفت کے بیان سے ایک عجیب شوق دل میں پیدا ہوا اور دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کسی پیر کی مریدی اختیار کرکے تصوف کا عملی تجربہ زندگی میں حاصل کروں۔ آخر کار سالک بننے کا اشتیاق اس حد تک پہنچ گیا کہ میں اپنے ؟؟ سے بضد ہونے لگا کہ خاندان عالیہ قادریہ میں اپنے پیر صاحب کے خلیفہ سے سفارش کرا کر مجھے حلقہ ارادت میں داخل کرا دیں، لیکن میری کمسنی کے باعث میری اس آرزو کی تکمیل مجھے مشکل بتائی گئی۔ آخر کار میرا استقلال کام کر گیا اور آپ نے ایک روز اپنے پیر بھائی کے سامنے جو حضرت دیدار علی شاہ غازی پور کے خلیفہ تھے، مجھے پیش کر ہی دیا اور آپ نے میرا غلبہ شوق دیکھ کر میری استدعا منظور کی اور میری کمسنی مستثنیٰ صورت قرار دے کر آپ نے بیعت لی اور توجہ دے کر خاندان قادریہ کا شریک کیا۔

منفی طور سے اس موقع پر جو کچھ گذرا اپنے اس عہد کی وجہ سے جو مجھ سے لیا گیا، میں بیان کرنے سے معذور ہوں۔ واردات قلبی کی وہ کیفیت ایک حالت تجلی ہے، جو اس امر پر شاہد ہے کہ انسان کے اندر ایسے قوائے باطنی ہیں جن کے وسیلے عالم حسیات سے پرے کی دنیا اس کی مشاہدہ اور تجربہ میں آتی ہے۔ توجہ کے بعد آپ نے ان اذکار کی تلقین کی جنہیں تصوف کی اصطلاح میں پاس انفاس اور حبس دم کہتے ہیں اور پھر اپنے جد بزرگوار سے میں

نے ذکر خفی اور جہری کی تعلیم حاصل کی اور ان کا طریقہ سیکھا۔

اب طریقت کے منازل سے میرے سامنے تھے۔ میں سالک تھا اور اپنے مرشد کی زیرِ ہدایت ان منازل سے گذر کر جو زیرِ قدم قوم ' نوح ' ابراہیم ' موسیٰ ' عیسیٰ اور محمدؐ ہیں ' منزل مقصود فنا فی اللہ اور بقایا اللہ تک پہنچنا تھا۔ اب تک اللہ میرے لئے ایک مطلق العنان شہنشاہ تھا جس کے احکام کی نافرمانی ابدی سزا کا مستوجب تھا۔ اس لئے اسلام کے احکام کی تعمیل کرتے وقت اور بالخصوص نماز پڑھتے وقت میں بڑی احتیاط اور خوف سے کام لیتا تھا۔ نجات میرے لئے محض دوزخ سے بچ کر بہشت میں داخل ہونے کا نام تھا۔ لیکن اب مذہب کا زاویہ نگاہ میرے لئے بدل چکا تھا۔ نماز محض ایک رسمی چیز نہیں بلکہ اس کا ایک ایک حصہ روحانی مفہوم رکھتا تھا۔ میں سالک تھا اور نماز ' روزہ ' تلاوت اور دیگر اوراد و وظائف قربت الٰہی کی ذرائع اور سفر میں آگے لے جانے کے معاون و مددگار تھے۔ اب خدا سے محض ڈر کر اس کی عبادت کرنا حقیقی عبادت نہیں تھی بلکہ عشق الٰہی کو دل میں پیدا کرنا اور اسے اپنا مطلوب سمجھ کر اور اس کا طالب ہو کر عبادت کرنا عبادت کی اصل غرض و غایت تھی۔ اب میرا دل پھر مذہبی تعصب سے پاک تھا۔ ساری کائنات خدا کا ظہور تھی۔ ادیان عالم کے کل معابد اس ہی کی پرستش سے آباد تھے۔ اب مذہب ایک خارجی شے نہیں بلکہ ایک باطنی حقیقت تھی۔ ایک ذہنی شے نہیں بلکہ تجربہ میں آنے والی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت تھی۔

انجیل جلیل اور تلاش حق کی آخری منزل

انسان کے دل میں خدا کو جاننے کا اشتیاق درحقیقت انسان کے لئے خدا

کی تلاش کا نتیجہ ہے یا یوں کہیے کہ انسان کے دل میں خدا کے دیدار کی تمنا کا پیدا ہونا خدا کی پکار کی صدائے بازگشت ہے۔ اپنی زندگی کے جس واقعہ کا اس موقع پر ذکر کرنا چاہتا ہوں ' میری زندگی کے بعض اہم واقعات کے سلسلہ کی یہ پہلی کڑی ہے۔ عموماً ایک معمولی حادثہ کسی بڑے واقعہ کا سبب بن جاتا ہے اور یہی بات اس موقع پر میرے حق میں سچ ثابت ہوئی۔ ایک روز ایک عزیز دوست نے انجیل کے کسی حصہ کا ایک نسخہ جو اسے کسی مسیحی مناد سے ملا تھا پڑھنے کو دیا۔ بات صرف اتنی تھی لیکن میری زندگی کے مستقبل پر اس کا کیا کچھ اثر پڑا ' میں آج خود حیران ہوں اور پھر یہ کوئی پہلا موقع نہیں تھا کہ مجھے انجیل ملی ہو۔ اس سے پیشتر انجیل اور بائبل میرے سامنے آچکی تھیں۔ بلکہ ایک مرتبہ تو میں نے اسے اس لئے پھاڑ کر پھینک دیا تھا کہ میرے استاد نے یہ سمجھایا تھا کہ یہ انجیل اصلی نہیں ہے جس کی گواہی قرآن شریف میں پائی جاتی ہے بلکہ یہ ایک جعلی کتاب ہے جس میں سخت کفر کی باتیں تحریر ہیں ' جن کے پڑھنے سے مومن کا دل و دماغ پلید ہو جاتا ہے۔ لیکن اس مرتبہ حضرت مسیح کی انجیل کے پڑھنے کا کچھ ایسا اشتیاق دل میں پیدا ہوا اور یہ فیصلہ کر لیا کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو کم از کم ایک بار اس کا مطالعہ ضرور کروں گا۔ انجیل کی اس موجودہ مسخ شدہ صورت میں کچھ نہ کچھ باتیں تو ایسی ضرور ہوں گی جو تحریف کرنے والوں کی زد سے محفوظ رہ گئی ہوں گی۔ آخر کتاب کے بگاڑنے والے نے کہاں تک بگاڑا ہو گا۔ اس کا کوئی حصہ تو ایسا ہو گا جو اصل انجیل کے مطابق ہو گا۔ باقی رہا کفر کی باتیں تو وہ خود ہی ظاہر ہو جائیں گی۔ ہر مومن کفر کی باتوں کو پہچان سکتا ہے پس اس قسم کی باتیں حضرت مسیح کے حق میں بہتان اور ایسی لغویات سمجھ کر رد کر دیتا کہ جنہیں شریر مسیحیوں نے انجیل میں

داخل کر دیا ہے کوئی مشکل بات نہیں ہے ۔ عام طور پر جب انسان کسی ایسے کام کا ارادہ کرتا ہے جسے وہ ناجائز سمجھتا آیا ہے تو ایسے موقع پر مصلحت سے کام لے کر کسی نہ کسی بہانہ سے اسے اپنے لئے جائز ٹھہرا لیتا ہے ۔ یہی تو مطالعہ مروجہ انجیل کا پڑھنا اب تک مکروہ سمجھتا آیا تھا مگر اس موقع پر اس کے مطالعہ کے غلبہ شوق نے کچھ اس ہی قسم کی توجیہ سے کام لے کر اس کے پڑھنے پر آمادہ کر دیا ۔

انجیل کے اس حصہ کا مطالعہ جو اس وقت میرے ہاتھ میں تھا جب ختم کر چکا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی ۔ شروع سے آخر تک گہری نظر سے اس کافرانہ تعلیم اور ملحدانہ خیال کی تلاش میں تھا کہ جسے رد کرکے انجیل کے کچھ نہ کچھ اصلی حصے کو حاصل کر سکوں ۔ انجیل کے ایک ایک جملہ کو پڑھ کر غور کرتا تھا کہ اس میں کونسی ایسی بات ہے جسے کفر یا الحاد سے تعبیر کر سکوں ۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہوئی کہ خلاف توقع تمام کتاب میں ایک جملہ بھی مجھے ایسا نہیں ملا جسے میں کفر سمجھتا ۔ کوئی ایسی تعلیم نظر نہیں آئی جسے شیطانی اختراع کہتا ۔ علاوہ اس کے میرے سامنے یہ سوال درپیش تھا کہ اگر مسیحی تحریف جیسے نفرت انگیز فعل کے مرتکب ہوئے ہیں تو اس سے ان کا مقصد کیا تھا ؟ کسی مذہب کا پیرو اول تو ایسی حرکت مذمومہ کے ارتکاب کا خیال بھی دل میں نہیں لائے گا کہ دیدہ دانستہ اپنی مذہبی کتاب میں جسے وہ منجانب اللہ سمجھتا ہے کاٹ چھانٹ کرے انسانی عقل آسانی سی اس بات کو باور کر نہیں سکتی کہ کسی مذہب کے پیرو مل کر اپنی دینی کتاب میں جسے وہ الہامی مانتے ہیں ' تحریف کر ڈالیں ۔ لیکن اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ عیسائیوں نے اس قسم کے فعل کو کرنے کی جرات کی تھی تو پھر سوال اٹھتا ہے کہ آخر اس سے ان کا مقصد کیا تھا؟

ایسے کر یہ کام کے کرنے کے کافی اسباب کا ہونا ضروری ہے ۔ کون سے فائدے کی باتیں عیسائیوں کے پیش نظر تھیں ؟

انجیل کا مطالعہ بتا رہا تھا کہ کسی ایسے مقصد کا پتہ کم از کم انجیل سے نہیں لگتا اور اس کی تحریف کی کوئی وجہ اس کتاب میں نہیں پائی جاتی ۔ اس کی اخلاقی تعلیم کا معیار اس قدر بلند ہے کہ انسانی فطرت اسے پسند نہیں کر سکتی اور اگر انسان دست درازی کر کے اس کی تعلیم کو بگاڑنے کی کوشش کرتا تو اس کے معیار کو گھٹا کر اس میں سہولت پیدا کر دیتا بلکہ دنیاوی مفاد کو مد نظر رکھ کر اور نفسانی خواہشات کے اقتضا کو پورا کرنے کی غرض سے بعض موقعوں پر ناجائز کو جائز ٹھہرا لیتا اور ان اعلیٰ مطالبات کو جو انجیل اس کے سامنے پیش کرتی ہے ' ان میں اپنے لئے سہولتیں پیدا کر لیتا لیکن انجیل کی تعلیم کے ایک فقرہ سے بھی اس خیال کی تائید نہیں ہوتی بلکہ اول سے آخر تک انجیل کی اخلاقی تعلیم کا معیار نہایت بلند ہے ۔

باقی رہا حضور مسیح کی زندگی کے واقعات کا بیان تو ان میں بھی تحریف کی گنجائش نظر نہیں آتی ۔ بعض باتیں آپ کے متعلق انجیل میں واقعی ایسی ہیں جو قرآنی بیان سے مطابقت نہیں رکھتی ہیں ۔ مگر ان باتوں میں اگر عیسائیوں نے تحریف کی ہے تو اس سے بجائے نفع کے نقصان ہی نظر آتا ہے ۔ مثلاً آپ کے بعض معجزات جن کا ذکر قرآن میں تو ہے مگر انجیل میں نہیں ہے ' جیسے گہوارے میں آپ کا کلام کرنا اور اپنی رسالت یہودی قوم کے سامنے پیش کرنا ' مٹی کے پرند بنا کر ان کو زندہ کر دینا وغیرہ ؟ انہیں انجیل سے خارج کرنے میں کونسا فائدہ مقصود تھا اور پھر حضور مسیح کی صلیبی موت کے بیان کے داخل کرنے سے آپ کی شان میں کون سی خوبی پیدا کرنی انہیں منظور تھی ؟ کسی مذہب کا پیرو اپنے

ہادی کی شان میں ایسی باتوں کی اختراع ہرگز نہیں کرے گا ' جن سے اس کی ذلت اور اس کے دشمنوں کا غلبہ ثابت ہو ۔ تحریف کے مرتکب عیسائیوں نے کیا سمجھ کر حضور مسیح کی صلیبی موت کی اختراع کی اور پھر تفصیل کے ساتھ انجیل میں شامل بھی کر دیا ۔ اور پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آپ کے جی اٹھنے کا تذکرہ ایسے پیرایہ میں کیا گیا ہے کہ جس سے صلیبی موت کی شرمندگی اور آپ کے دشمنوں کی فتح پر کوئی اثر نہیں پڑتا ۔ اگر واقعی انجیلی بیانات میں تحریف کی گئی ہے تو یہ ایک ایسا بیان تھا جس میں تحریف کی بڑی گنجائش تھی کیونکہ تحریف کا عمل اگر درحقیقت ایک واقعہ ہے تو حضور مسیح کے کچھ عرصہ بعد وقوع میں آنا چاہئے تھا ۔ کم از کم اس وقت آپ کے دشمن مر چکے ہوں گے ۔ مسیحی مذہب کو کم از کم اس قدر فروغ ضرور اس زمانہ میں ہوگا کہ اس کے پیرو بلا روک ٹوک اس میں تبدیلی پیدا کرنے کی جرات کر سکتے تو پھر کس چیز نے ان تحریف کرنے والوں کو اس قسم کے بیان کا اضافہ کرنے سے روک دیا کہ آپ زندہ ہو کر سردار کاہن اور پیلاطس اور ہیرودیس کو دکھائی دیتے اور آپ کے اس ظہور نے ان میں خوف و دہشت پیدا کر دی ؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر واقعی کوئی تحریف کی جرات کرتا تو سب سے پہلے صلیبی بیان کا پیرایہ ہی بدل دیتا بلکہ اس بیان کو ہی سرے سے اڑا دیتا اور دشمنوں کی زد سے بچا کر آپ کو صحیح و سالم زندہ آسمان میں پہنچا دیتا ۔ اس قسم کے بیانات سے آپ کو خدا کا بیٹا ماننے میں اور سہولت پیدا ہو جاتی کیونکہ ایک مصلوب خدا کا بیٹا ماننے سے یہ کتنا زیادہ آسان ہے کہ خدا نے اپنے بیٹے کو دشمنوں کے ہاتھ سے چھڑا کر زندہ آسمان پر اپنے پاس بلا لیا ۔ غرض یہ کہ میں نے جس پہلو سے اس مسئلہ پر غور کیا ' انجیل میں تحریف کا ہونا بعید القیاس ہی معلوم پڑا ۔

ممکن ہے کہ ان خیالات ' مافوق کی وقعت بعض قارئین کی نگاہ میں ایک طفل مکتب کے خیالات سے زیادہ نہ ہو اور حقیقت بھی یہی ہے لیکن یہ خیالات اس طفل مکتب کے ہیں جو اس وقت سچے دل سے تلاش حق میں مصروف تھا۔

انجیل کی تلاوت کا دل پر اثر

اب میں انجیل کے دوبارہ مطالعہ کے لئے تیار تھا۔ پہلا مطالعہ گویا ذہنی طور پر تھا اور یہ دوسرا مطالعہ ذہن کو اعتراضات سے خالی کر کے شروع کیا۔ ختم کرنے پر انجیل کے اصلی اور سچے ہونے کا یقین گہرے طور پر ذہن میں بیٹھ گیا۔ اب مجھے پورا یقین تھا کہ یہ خدا کا کلام اور اس کا مکاشفہ ہے۔ خدا کو جاننے کے باطنی اشتیاق نے اس کی تلاوت سے سکون حاصل کر لیا۔ جذبہ تلاش حق اب اپنی منزل مقصود تک گویا پہنچ گیا۔ اس کا اثر قرآن کی تلاوت کے اثر سے مختلف تھا۔ قرآن کی تلاوت میرے لئے مسحور کن تھی۔ اس کے الفاظ اور اصوات میں ایک عجیب موسیقی کا سا اثر تھا۔ اس کی قرات کی خوش الحانی اور فصاحت کی معجز بیانی میرے لئے لاثانی تھی۔ اس کی تلاوت بعض اوقات مجھ میں حالت وجد پیدا کر دیتی تھی۔ انجیل کی تلاوت ان باتوں سے خالی تھی لیکن انجیل کا کچھ ایسا انداز بیان تھا کہ سیدھی سادھی طرز میں براہ راست یہ مجھ سے ہمکلام تھا۔ انجیل میری اپنی زبان میں مجھ سے مخاطب تھی۔ خدا کی باتیں اور اس کے اسرار ان الفاظ میں جنہیں میں سمجھ سکتا تھا یہ بیان کر رہی تھی۔ اس کے پڑھنے سے روح کو سکون اور قلب کو اطمینان حاصل ہو رہا تھا۔ یہ مجھے مسحور نہیں کر رہی تھی بلکہ اس کے برعکس عالم مدہوشی سے ہوش میں لا رہی تھی۔ برائی اور بھلائی کی حقیقت سے آگاہ کر کے ان میں امتیاز کرنے کی قوت مجھ میں پیدا کر رہی تھی۔ اس میں فصاحت نہیں تھی کیونکہ گمشدہ بیٹے کے لئے باپ کا یہ پیغام تھا جس کے ایک ایک فقرہ سے باپ کی محبت کا اظہار ہو رہا تھا۔

کیا یہ انجیل جھوٹی ہو سکتی ہے ؟ یہ خیال ہی میرے لئے روح کی بے چینی کا باعث تھا ' کیونکہ اگر جھوٹی ہے تو پھر خدا کی بڑی بخششیں اور نعمتیں بھی باطل ہو جاتی ہیں اور تب راست بازی ' سچائی ' پاکیزگی ' محبت ' معافی ' توبہ ' رحم دلی وغیرہ محض الفاظ ہی الفاظ رہ جاتے ہیں ۔ ان کا وجود زیادہ سے زیادہ صرف انسان کے باہمی برتاؤ تک ہی رہ جاتا ہے ۔ جماعتی زندگی کی ترتیب سے پیدا ہوتے ہیں اور جماعتی زندگی کی ہم آہنگی تک ہی ان کا قیام ہے ۔ اگر واقعی یہ بات ٹھیک ہے تو پھر آفتاب کی نورانی روشنی ' چاند کی سہانی چاندنی اور تاروں کی چمک کا بھی کوئی وجود نہیں ہے ۔ اگر محبت ' پاکیزگی ' راستبازی وغیرہ کا وجود محض وقتی ہے تو واقعی ہماری اخلاقی دنیا اور ہمارا روحانی عالم بھی محض خیالی ہے اور بہشت دوزخ کا دوسرا نام ہے ۔ ان باتوں کو وہی سمجھ سکتا ہے جس نے خلوص دل سے ایک مرتبہ بھی انجیل کا مطالعہ کیا ہے ۔ غرض یہ کہ ایک نئی دنیا میرے سامنے تھی ۔ ایک نئی زندگی کا مرقع میرے پیش نظر تھا ۔ برسوں کی پرانی ذہنی اور روحانی کیفیت کو من و عن بیان کرنا نہایت دشوار ہے اس وقت کے روحانی تجربہ کا جو انجیل کی تلاوت سے مجھے حاصل ہوا ' میں محض ایک دھندلا اور ناقص خاکہ ہی پیش کر سکتا ہوں ۔ اغلب تو یہ ہے کہ عین اس وقت بھی اگر اپنی اس کیفیت کو الفاظ میں ادا کرنا چاہتا تو قاصر رہتا ۔ غرض یہ کہ یہ ایک کیفیت تھی کہ جس کا مقابلہ کسی ایسی شے سے کر سکتے ہیں جو کسی دوسری شے کو جس سے اس کی تکمیل ہوتی ہے پالے ۔ لیکن جب تک یہ شے ناقص اور اپنی تکمیل کرنے والی شے سے لاعلم اور بے خبر رہتی ہے تو اسے اپنے ناقص اور غیرمکمل ہونے کا بھی علم نہیں ہوتا ۔ یہ شعور اس شے ناقص میں اس وقت جاگ اٹھتا ہے جب اس کی تکمیل کرنے والی شے اس کے سامنے آتی ہے ۔

میری زندگی ناقص اور غیر مکمل تھی' لیکن اپنی زندگی کے ناقص اور نامکمل ہونے کا صحیح علم اس وقت مجھے ہوا جب انجیل کا مطالعہ کیا ۔ اس میں میں نے اس کی زندگی دیکھی جو کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور بچانے کے لیے آیا ۔ یہی وہ شخصیت تھی جس نے مرتی ہوئی روح میں زندگی کا دم پھونکا اور روح کی باطنی پیاس کو بجھا کر زندگی کے پانی سے سیراب کیا ۔ طالب نے مطلوب کو پالیا ۔

ایک نئی تلاش کا آغاز

مسیحی مذہب قبول کرنے کا میں نے فیصلہ کر لیا ۔ لیکن جائے تعجب ہے کہ مسیحی مذہب سے میری واقفیت محض انجیل کے ایک حصہ تک محدود تھی' تو بھی یہ مذہب ہی میرے نزدیک سچا مذہب تھا ۔ یہ دریافت بڑی تھی لیکن حقیقت میں یہ میری دریافت نہ تھی اور نہ ہی میرے کسی عمل یا تلاش کا نتیجہ تھا بلکہ یہ خدا کا فضل تھا جو ہر گنہگار کو ڈھونڈتا اور خدا کے پاس آنے کی اسے توفیق بخشتا ہے ۔ خدا ہی تھا جو اپنے بھٹکے اور گمراہ فرزند کو اپنے پاس لا رہا تھا ۔ ہر انسان کے دل میں خدا نے اپنا فرزند بننے کا وسیع امکان رکھ چھوڑا ہے اور اس طور سے خدا کو حاصل کرنے کی انسانی آرزو درحقیقت انسان کو اپنے پاس لانے کی اسی تمنا کا جواب ہے ۔ پس اگر غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اس سے قبل خدا کو حاصل کرنے کی میری ہر کوشش اس سے دور لے جا رہی تھی اور یہ اس لئے کہ انسان کی اپنی طبیعت خدا کا صحیح تصور خود اپنی حکمت و دانش سے کر نہیں سکتی ۔ خدا کا ظہور اس کے اپنے مکاشفہ پر موقوف ہے اور جب انسان کو خدا اپنا مکاشفہ بخشتا ہے تو اس کے اپنے تصور خدا سے کس قدر فرق اور مختلف

ہوتا ہے ۔ دونوں میں بعد المشرقین ہے ۔ چند ہی ساعت قبل مسیحی مذہب میرے لئے نفرت انگیز تھا اور اس کے پیرو مشرک اور نجس تھے اور یہ بات بالکل بعید القیاس تھی کہ اس مذہب کو قبول کرنے کا فیصلہ کروں گا ۔ اس لئے مسیحیت کی دریافت میری اپنی تفحص اور غور و فکر کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ الٰہی فضل کی یہ تاثیر تھی اور مسیحی مذہب کے حق میں میرا فیصلہ میری گنہگار طبیعت اور مذہبی گھمنڈ اور تعصب پر خدا کے فضل کی فتح اور اس کا غلبہ تھا ۔

آج برسوں بعد جب میں اس تجربہ پر غور کرتا ہوں جو اس روز انجیل کے مطالعہ سے مجھے حاصل ہوا تھا اور جس کے بیان کرنے کی کوشش سطور مافوق میں کی گئی ہے تو خود حیران ہوں کہ بحیثیت محض ایک لڑکا ہونے کے کیونکر واقعی یہ تجربہ زندگی میں گذرا ۔ مسیحی مذہب اور مروجہ انجیل کے خلاف اسلامی تعصبات پر کس طرح میں نے عبور حاصل کیا نہ مجھے اس وقت مسیحی مذہب کا ہی علم تھا اور نہ ہی اسلام سے کماحقہ' واقفیت تھی تو پھر میرے ذہن میں مسیحی مذہب کو سچا تسلیم کر لینے کی صلاحیت کہاں سے آئی ؟ آج جب ایام ماضی کے ان دنوں کو یاد کرتا اور ان کے ان روحانی تجربوں کو ذہن میں تازہ کرتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ایک طفل مکتب کے لئے کیونکر یہ باتیں ممکن ہوئیں ۔ لیکن جو اپنی زندگی میں مذہب کا تجربہ کر چکے ہیں ان کے لئے یہ کوئی تعجب کا مقام نہیں ہے ۔ میری اوائل زندگی کے اس تجربہ سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ خدا کا فضل ہی انسان کو خدا کی طرف متوجہ کرتا اور اس کے پاس لاتا ہے ۔ مقدس پولس نے جب اپنے زمانہ کے ان لوگوں پر غور کیا جو نجات پاتے تھے اور جن کو خدا ہر روز مومنوں کی جماعت میں ملا دیتا تھا تو بے ساختہ پکار اٹھے ۔ "جسم کے لحاظ سے بہت سے حکیم ' بہت سے اختیار والے ' بہت سے

اشراف نہیں بلائے گئے بلکہ خدا نے دنیا کے بیوقوفوں کو چن لیا کہ حکیموں کو شرمندہ کرے اور خدا نے دنیا کے کمزوروں کو چن لیا کہ زور آوروں کو شرمندہ کرے اور خدا نے دنیا کے کمینوں اور حقیروں کو بلکہ بے وجودوں کو چن لیا کہ موجودوں کو نیست کرے تاکہ کوئی بشر خدا کی سامنے فخر نہ کرے۔" بلکہ خود ہمارے خداوند یسوع مسیح نے جب دیکھا کہ کس طرح بچے اور ناداں آپ کے پاس آتے تھے اور آپ کا کلام خوشی سے سنتے تھے اور وہ جو اپنے آپ کو دانا اور عقلمند سمجھتے تھے آپ کی تعلیم سے ٹھوکر کھاتے تھے تو آپ نے فرمایا

"اے باپ آسمان اور زمین کے خداوند' میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے یہ باتیں داناؤں اور عقلمندوں سے چھپائیں اور بچوں پر ظاہر کیں۔"

غرض یہ کہ مسیحی مذہب قبول کرنے کا فیصلہ میں نے کر لیا مگر اس فیصلہ کو عمل میں لانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس معاملہ میں کن کن دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا' ان کا مجھے بالکل احساس نہیں تھا۔ میرا دل ہر قسم کے خوف سے آزاد تھا۔ اسلام ترک کرکے مسیحی مذہب کو اختیار کرنے کے نتیجہ میں جس مزاحمت اور مخالفت کا مقابلہ کرنا ضروری تھا میرے ذہن میں یہ مطلق موجود نہ تھا اور نہ ہی اس پر غور کرنے کی میرے دل میں اس وقت گنجائش تھی۔ صرف ایک خبط تھا جو مجھ پر سوار تھا کہ میں مسیحی بن جاؤں اور یہ خبط میرے خیالات پر اس قدر حاوی ہو رہا تھا کہ مسیحی مذہب اختیار کرنے کے کل نتائج سے میں بے خبر تھا۔ میری سب سے پہلی فکر اس معاملہ میں یہ تھی کہ کسی ایسے شخص سے ملاقات کروں جو مسیحی مذہب کی تلقین کرکے مجھے اس مذہب میں داخل کر دے۔ مسیحی جماعت اور اس کی مذہبی نظام سے میں بالکل ناواقف تھا۔ میرا خیال تو یہ تھا کہ کسی ایسے شخص کے پاس جا کر جو اپنی وضع و قطع میں عیسائی

دکھائی دے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ میں مسیحیت قبول کرنا چاہتا ہوں' باقی وہ مجھ کو خود ہی راہ سمجھا دے گا۔ اس وقت سے قریب روز کا میرا معمول بن گیا کہ مکان کے قریب سڑک پر یورپین وضع کی پوشاک پہنے ہوئے لوگوں کو گزرتے دیکھتا تھا' جن میں یورپین' اینگلو انڈین' پولیس سارجنٹ وغیرہ سب شامل تھے اور خیال کرتا تھا کہ ہر شخص جو اس قسم کا پہناوا پہنے وہی عیسائی ہے اور ہر عیسائی کسی دوسرے کو عیسائی بنا سکتا ہے۔ لیکن اجنبی لوگوں کے قریب جا کر دل کے راز کو بیان کرتے جھجکتا تھا اور مجھے بالکل ہمت نہ ہوئی کہ ان سے بات کرتا۔ لیکن اسی شہر کلکتہ میں ایک عیسائی تھا کہ جب وہ سڑک پر سے گذرتا تو لوگ اپنا کام چھوڑ کر اسے دیکھنے لگتے اور سڑک پر کے بچے اور نوجوان اس کو گھیرے رہتے تھے۔ اسے ہر قسم کے لوگوں سے محبت تھی اور ہر شخص اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اس کا پہناوا بھی عجیب ہی قسم کا تھا۔ وہ تھا تو یورپین لیکن بجائے کوٹ' پتلون اور نکٹائی کے ایک لمبا چوغہ پہنے رہتا تھا اور کمر کو رسی کی مانند کسی چیز سے کسے رہتا تھا۔ لوگوں سے معلوم ہوا کہ یہ عیسائیوں کا امام ہے اور اسے پادری کہتے ہیں۔ یہ معلوم کر کے عیسائیوں کے ایک امام کو میں نے پہچان لیا ہے' مجھے بڑی خوشی ہوئی اور مجھے پورا یقین تھا کہ اگر عیسائیوں کے اس امام سے درخواست کروں گا تو وہ ضرور ہی مجھے عیسائی بنا لیں گے۔ سڑک پر بھیڑ کی وجہ سے جو انہیں گھیرے رہتی تھی ان سے گفتگو کرنا محال تھا لہذا ایک روز ان کے پیچھے پیچھے میں ان کے مکان تک گیا اور ان کی جائے رہائش دیکھ کر لوٹ آیا۔ دوسرے روز ان سے ملاقات کی غرض سے آکسفورڈ مشن کو گیا مگر یہ معلوم کر کے کہ تمام پادری صاحبان روزہ سے ہیں اور روزہ کے موقع پر وہ کسی سے بات چیت نہیں کرتے مایوس لوٹ آیا ان کے

روزے ختم ہونے پر میں پھر وہاں گیا اور جس پادری صاحب کی تلاش تھی ان سے کسی نہ کسی طرح ملاقات کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ آپ کا نام کیپٹن۔ ای۔ ایف براؤن تھا۔ مگر دقت یہ ہوئی کہ ہم ایک دوسرے کی بولی نہ سمجھ سکے۔ میری انگریزی کی استعداد بہت ہی تھوڑی تھی۔ باقاعدہ گفتگو کر کے دلی خیالات سمجھانا مشکل تھا اور یوں ہماری ملاقات کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

غرض یہ کہ ایسے مسیحی کی تلاش جو مجھے خداوند یسوع مسیح کا پیرو بنانے میں میری مدد کرتا، جاری رہی۔ مسیحی گرجوں کی یہ حالت تھی کہ وہ بند ملتے تھے۔ اور اگر کبھی کھلے بھی نظر آتے تو کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا تھا، جس سے گفتگو کرتا۔ ایک اتوار کی شام کا ذکر ہے کہ کلکتہ کے بہو بازار کے گرجے میں جو سرکلر روڈ کے قریب واقع ہے لوگ جاتے دکھائی دیئے۔ کچھ عرصہ کے بعد میں گرجا میں داخل ہوا اور خیال تھا کہ وہاں کوئی نہ کوئی شخص ایسا ضرور مل جائے گا جو مسیحی بننے میں میری مدد کرے گا، لیکن جب گرجا کے اندر داخل ہوا تو وہاں کے غیر متوقع نظارہ نے مجھے محو حیرت بنا دیا۔ دیواروں سے لگی ہوئیں دونوں طرف کچھ کچھ فاصلہ پر مورتیں بنی تھیں اور عین سامنے ایک بڑی سی مورت اور صلیب کے سامنے زرق برق پوشاک پہنے ہوئے ایک شخص کچھ پڑھ رہا تھا اور کچھ اور لوگ اور بچے اس کے ارد گرد سفید پوشاک پہنے جو عبا کی طرز کا تھا، سنجیدگی اور تعظیم کے ساتھ کھڑے تھے اور بخور کے دھوئیں کا ایک بادل وہاں چھا رہا تھا۔ باقی لوگ بڑے ادب کے ساتھ سر جھکائے، گھٹنے ٹیکے دعا میں مشغول تھے۔ میرے لئے یہ کل نظارہ بڑا متوثر تھا، لیکن ایک شخص نے جس کے قریب کھڑا ہوا میں تعجب اور تجسس کی نظر سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا، غصہ کی نگاہ سے میری طرف دیکھا اور مجھے نکل جانے کا حکم دیا جس

کی تعمیل میں نے فوراً کر دی۔

اسی اثنا میں ایک روز جب میں کسی مسیحی کی تلاش میں پھر رہا تھا تو بہو بازار اور امہرسٹ اسٹریٹ کے چوراستے پر ایک دیسی مسیحی انگریزی وضع کی پوشاک پہنے ایک مجمع کے سامنے کچھ تقریر کر رہا تھا۔ سننے پر معلوم ہوا کہ یہ شخص مسیحی مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ تقریر کے ختم ہونے پر میں نے ان کو بتایا کہ میری آرزو مسیحی ہونے کی ہے۔ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ انہوں نے اپنا نام مسٹر ولیمز اور پتہ متصل سینٹ جیمس گرجا لکھ کر دے دیا۔ کچھ عرصہ تک مسٹر ولیمز کے پاس برائے تعلیم جاتا رہا۔ آپ زیادہ تر مسلمانوں کے اعتراضات کے متعلق ہی مجھ سے گفتگو کرتے رہے۔ میری خاص خواہش مسیحی مذہب کے اصول اور ارکان کو جاننے اور مسیحیت قبول کرنے کی تھی لیکن جب اس تعلیم سے میری تشفی نہیں ہوئی اور نہ ہی میرے مسیحی ہونے کے متعلق وہ کسی قسم کی رائے دے سکے تو میں نے ان کے پاس جانا ترک کر دیا۔ جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ بحث و مباحثہ کی باتوں سے مجھے مطلق دلچسپی نہ تھی۔ میرا نصب العین مسیحی مذہب اختیار کرنا تھا اور بس۔

"موسیٰ سے اور سب نبیوں سے شروع کر کے سارے نوشتوں میں جتنی باتیں اس کے حق میں لکھی ہوئی ہیں، وہ ان کو سمجھا دیں۔" (لوقا ۲۴: ۲۷)

انہی دنوں میں کلکتہ کی کارنوالس اسٹریٹ پر پرانی کتابوں کی دکانوں کی سیر کرتا پھر رہا تھا کہ ایک دکان میں ایک پوری انگریزی بائبل مع حوالوں کے نظر پڑی اور خرید کر گھر لے آیا۔ پہلے کچھ دن تو جس کتاب کی سرخی جاذب توجہ معلوم ہوئی ادھر ادھر سے پڑھتا رہا۔ لیکن بعد میں نئے عہدنامہ کا مطالعہ حتیٰ کی

انجیل سے شروع کیا۔ اس مطالعہ میں جس چیز نے مجھ پر بڑا اثر کیا' وہ پیشین گوئیوں کا خداوند یسوع مسیح کے حق میں پورا ہوتا تھا۔ میرے دوست مسٹر ویمز نے جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے' بائبل کے حوالوں کا سمجھنا اور انہیں نکالنا مجھے سکھا دیا تھا۔ اس سب سے پرانے عہدنامہ سے حوالہ تلاش کر کر کے نکالنا میرے لئے کوئی وقت طلب بات نہ تھی۔ ان حوالوں کے مطالعہ سے مجھے بڑی دلچسپی تھی اور بڑی محویت کے ساتھ انہیں پڑھا کرتا تھا۔ بحیثیت مسلمان کے پیشتر میرا یہ عقیدہ تھا کہ کل کتب سابقہ میں آنحضرت کا ہی ذکر ہے اور کل انبیاء حضرت آدم ؑ سے لے کر خداوند یسوع مسیح تک سب کے سب نے ایک ہی کے آنے کی خبر دی تھی۔ لیکن بائبل کے مطالعہ سے مجھے یہ صاف معلوم ہو گیا کہ خدا کے آخری پیغمبر اور قاصد خداوند یسوع مسیح ہی تھے اور آپ چونکہ ابن اللہ کہلاتے تھے' اس لئے آپ کے کلام کی تنسیخ نہیں ہو سکتی۔ علاوہ اس کے بائبل سے یہ بھی صاف ظاہر تھا کہ خدا کا وہ پیغمبر جس کا وعدہ خدا نے کتاب مقدس میں انبیا سے کیا تھا یعنی یہ وعدہ حضرت اسماعیل ؑ سے نہیں بلکہ حضرت اسحاق ؑ سے تھا۔

نیا عہدنامہ جب ختم کر چکا تو پرانے عہدنامے کے بہتیرے حوالے مجھے اب یاد ہو گئے تھے اور خداوند یسوع مسیح کے متعلق بہتیری پیشین گوئیاں مجھے معلوم تھیں۔ یسعیاہ نبی کے ترپنویں (۵۳) باب سے خداوند یسوع مسیح کی صلیبی موت کے سمجھنے میں مجھے بڑی مدد ملی اور اس کے وسیلہ آپ کی صلیبی موت کے مفہوم کو میں بہت کچھ سمجھ سکا۔ "اس نے ہماری مشقتیں اٹھا لیں اور ہمارے غموں کو برداشت کیا۔ ہم نے اسے خدا کا مارا' کوٹا اور ستایا ہوا سمجھا حالانکہ وہ ہماری خطاؤں کے سبب سے گھائل کیا گیا اور ہماری بدکرداری

کے باعث کچلا گیا ۔ ہماری ہی سلامتی کے لئے اس پر سیاست ہوئی تا کہ اس کے مار کھانے سے ہم شفا پائیں ۔ ہم سب بھیڑوں کی مانند بھٹک گئے ۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی راہ کو پھرا۔ پر خداوند نے ہم سب کی بدکرداری اس پر لاد دی" نبی کے یہ الفاظ خداوند یسوع مسیح کی صلیبی موت سے سینکڑوں برس پیشتر کے ہیں ۔ لیکن تو بھی کتنے واضح طور پر نبی نے الہام سے آپ کا ہماری خاطر اپنی جان قربان کرنے کا بیان ادا کیا ہے ۔ اسی طرح وہ واقعہ جب بیابان میں بنی اسرائیل کی گمراہی کے باعث سانپ انہیں ڈسنے لگے اور خدا نے حضرت موسیٰ" کو حکم دیا کہ پیتل کا سانپ بنا کر لکڑی پر کھڑا کریں اور جو سانپ کا ڈسا اسے دیکھتا تھا ' فوراً شفا پاتا تھا ' کس خوبی سے خداوند یسوع مسیح کی صلیبی موت کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ یوحنا کی انجیل میں اس کی تصریح بھی کر دی گئی کہ

" جس طرح موسیٰ نے سانپ کو بیابان میں وانچے پر چڑھایا اسی طرح ضرور ہے کہ ابن آدم بھی اونچے پر چڑھایا جائے تا کہ جو کوئی ایمان لائے اس میں ہمیشہ کی زندگی پائے " (یوحنا باب ۳ آیت ۱۴) ۔ غرض یہ کہ پرانے عہدنامہ کے وہ مقامات جنہیں نئے عہدنامہ کے حوالوں کی مدد سے میں نکالتا تھا ' ایسے نہ تھے کہ میرے قلب اور ذہن کو متاثر نہ کرتے ۔

یہ سچ ہے کہ مسیحیت کو قبول کرنے میں مسلمانوں کو چند خاص دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ بحیثیت مسلمان ہونے میں بھی ان ذہنی دقتوں سے بچ نہیں سکا ۔ لیکن نئے عہدنامہ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ دقتیں خود بخود رفع ہو گئیں ۔ انجیل کے پہلے ہی مطالعہ نے میرے دل میں مسیحی مذہب کی صداقت کا یقین پیدا کر دیا اور مجھے اس بات کی پرواہ نہ رہی کہ دوسرے لوگ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں ۔ مثلاً اب میں ماننے لگا کہ خداوند یسوع مسیح کے لئے لفظ بیٹا ضرور

استعمال ہوا ہے مگر مسلمان جو کچھ اس لقب سے سمجھ بیٹھے ہیں وہ ہرگز مسیحی مفہوم نہیں ہے اور مجھے کامل یقین تھا کہ مسیحی جن کے ایمان کی بنیاد انجیل پر ہے ہرگز جسمانی معنوں میں مسیح کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے ۔ اسی طرح تثلیث کے متعلق میرا اب یہ خیال تھا کہ اس سے مراد وہ مادی اور عددی کثرت نہیں ہو سکتی کہ جس کی بنا پر مسلمان اس عقیدہ کو شرک قرار دیتے ہیں ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں اب یہ ماننے لگا کہ جس طرح مسلمانوں نے غلطی سے انجیل کو محرف اور شیطانی اختراع سمجھ رکھا ہے ' اسی طرح مسیحی عقیدہ کے متعلق بھی وہ غلطی ہی پر ہیں ۔ جب انجیل کے متعلق مسلمانوں کا خیال صریحاً غلط نکلا تو پھر مسیحی عقیدہ کے متعلق ان کی رائے کیونکر یقین کے قابل ہو سکتی ہے ۔

یہ خدا ہی کا فضل تھا کہ میں بغیر کسی انسان کی مدد کے مسیحی مذہب کے موٹے موٹے اصولوں کو براہ راست کتاب مقدس کے مطالعہ سے سمجھ سکا ۔ کتاب مقدس کے مطالعہ اور الٰہی فضل کے وسیلے سے میرا مسیحی عقیدہ اب کچھ اس قسم کا تھا کہ میں مانتا تھا کہ خدا ایک ہے لیکن اس کی وحدت میں کسی نہ کسی طرح باپ اور بیٹے اور روح القدس کی کثرت بھی موجود ہے اور کہ یسوع مسیح اس کا ازلی کلام بطور الٰہی حکمت کے ازل سے خدا کے ساتھ موجود ہے اور بیٹا کہلاتا ہے ۔ خداوند یسوع مسیح کے الٰہی حکمت ہونے کا خیال میں نے امثال کی کتاب کے آٹھویں باب سے سیکھا تھا اور بالخصوص اس کی ۲۲ اور ۲۳ آیتوں سے جہاں لکھا ہے " خداوند نے انتظام عالم کے شروع میں اپنی قدیم صنعتوں سے پہلے مجھے پیدا کیا ۔ میں ازل سے یعنی ابتدا ہی سے مقرر ہوئی ۔ " یوحنا کی انجیل کی ابتدائی آیتوں میں بالخصوص اس کے پہلے باب کی تیسری آیت میں اور امثال کی کتاب کی ان آیتوں میں مجھے بڑی مشابہت نظر آئی ۔

"سب چیزیں اس کے وسیلہ سے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوا ہے اس میں سے کوئی چیز بھی اس کی بغیر پیدا نہیں ہوئی۔"

علاوہ ان کے میں یہ بھی مانتا تھا کہ خداوند یسوع مسیح کنواری مریم سے پیدا ہوئے اور کہ آپ دنیا کے اور میرے گناہوں کی خاطر صلیب پر مرے اور تیسرے دن زندہ ہوئے اور اب آپ ہماری شفاعت کرنے کے لئے زندہ ہیں اور کہ آپ دوبارہ پھر تشریف لائیں گے۔

تو بھی مسیحی مذہب کا میرا تصور اب تک سرسری تھا اس لئے میں جاننا چاہتا تھا کہ مسیحی نماز کا طریقہ اسلامی نماز کے مقابلے میں کیا ہے۔ بعض اوقات مسیحی نماز کا طریقہ سیکھنے کے لئے میں گرجے جانا چاہتا تھا لیکن گرجے کے اندر اور باہر انگریز اور اینگلو انڈین لوگوں کو دیکھ کر اندر داخل ہونے کی ہمت نہیں پڑتی تھی اور وہ موقع جب بھو بازار کے ایک گرجا میں میرا داخل ہونا لوگوں کو ناگوار دکھائی دیا تھا' ابھی تک مجھے یاد تھا۔ ایک روز پرانی کتابوں کی دکان میں کلیسیا انگلستان کی نماز کی کتاب دعائے عام مجھے مل گئی اور مسیحی نماز کے طریقہ کی کتاب سمجھ کر اسے خرید لایا اور ہر روز صبح و شام اس ترتیب کے مطابق جو اس میں درج تھیں' میں نے اس کا استعمال کرنا اور دعا کرنا شروع کیا۔ میں اس کی کل دعائیں اور جوابی فقرے سب کچھ آپ ہی پڑھ جاتا تھا۔ مقررہ مزامیر اور پاک کلام کی تلاوت کی' جس طرح اس میں ہدایت تھی اسی طرح میں کیا کرتا تھا۔ دعائے عام کی کتاب کے ذریعہ میں نے گناہ کا اقرار' ہمارے خداوند کی دعا' عقیدہ اور کیٹی کزم حفظ کر ڈالے۔

روح القدس میرا معلم

جو کچھ میں اب تک بیان کر چکا ہوں ' اس کا تعلق اس زمانہ سے ہے جب میں نے کسی مسیحی معلم کے پاس بیٹھ کر مسیحی مذہب کی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی تھی ۔ مسیحیت کے متعلق جو کچھ میرا علم تھا وہ خدا کے پاک روح کی ہدایت اور تعلیم سے تھا ۔ اس کی ہدایت کا اعتراف نہ کرنا درحقیقت اس کے اظہار تشکر میں کوتاہی کرنا ہے ۔ خدا کے پاک روح کا علم مجھے عجیب طور سے حاصل ہوا ۔ اس قدر تو میں جانتا تھا کہ پاک تثلیث میں باپ ' بیٹا اور روح القدس ہیں اور میں یہ بھی سمجھتا تھا کہ باپ اور بیٹے سے کیا مراد ہے ۔ لیکن روح القدس اور اس کے کام کا مجھے علم نہیں تھا ۔ نئے عہدنامہ کا مطالعہ کرتے وقت یوحنا کی انجیل میں روح القدس کے متعلق خداوند یسوع مسیح کے الفاظ تو میں نے پڑھے تھے ۔ لیکن ان آیتوں پر جن میں روح القدس کا ذکر ہے ' کافی غور نہیں کیا تھا اس لئے ان کے پورے مطالب سمجھنے سے قاصر تھا ۔ میرے مسیحی دوست مسٹر ویلیمز نے ایک مرتبہ مسلمانوں کے اس اعتراض کا ذکر کرتے ہوئے کہ وہ فارقلیط سے اپنے نبی آنحضرت کو مراد لیتے ہیں ' مجھے ہدایت کی کہ یوحنا کی انجیل کے چودھویں (۱۴) پندرھویں (۱۵) اور سولھویں (۱۶) ابواب کو غور سے پڑھوں اور جہاں کہیں روح القدس کا ذکر آیا ہے ' اس کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کروں اس کے بعد انہوں نے اعمال کی کتاب کے دوسرے باب میں پنتکست کے دن خداوند یسوع مسیح کے وعدہ کے مطابق اس موعودہ روح کے نزول کا ذکر پڑھنے کو کہا ۔ جب میں نے ان مقامات کی تلاوت کی تو میرا دل

ایک عجیب خوشی سے بھر گیا اور میں نے معلوم کر لیا کہ ایمانداروں کے دل میں پاک روح کس طرح کام کرتا ہے ۔ خداوند یسوع مسیح کا وعدہ تھا کہ " مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا " (یوحنا باب ۱۴ آیت ۲۶) ۔ اس پاک روح کی ہدایت کے بغیر بھلا ان سچائیوں کو جو پاک کلام کی تلاوت سے مجھ پر ظاہر ہوئی تھیں میں جان ہی کیسے سکتا تھا ۔ اسی نے پاک صحیفہ میں خداوند یسوع مسیح کے جلال کا انکشاف بڑی صفائی اور خوبی سے کیا ۔ اسی پاک روح نے میری مدد کی کہ میں خداوند یسوع مسیح کو خدا کا بیٹا مان کر اس پر ایمان لاؤں ۔ اسی پاک روح نے اس آسمانی مقام کو دکھایا جہاں اب ہمارا خداوند باپ کے دہنے سربلند ہو کر ہم گنہگاروں کی سفارش کرتا ہے اور جہاں سے وہ پھر اپنے وفادار بندوں کو لینے کے لئے اور اپنے جلال میں قبول کرنے کے لئے آئے گا ۔ " میں جاتا ہوں کہ تمہارے لئے جگہ تیار کروں اور اگر جا کر تمہارے لئے جگہ تیار کروں تو پھر آ کر تمہیں اپنے ساتھ لے لوں گا تاکہ جہاں میں ہوں تم بھی ہو " (یوحنا باب ۱۴ آیت ۳) ۔ یہ خدا کا پاک روح تھا جس نے مجھے یہ مبارک تعلیم دی کہ مسیح میرا منجی ہے اور کہ وہ میرے لئے موا ۔ اسی کے وسیلہ سے زندگی میں یہ تجربہ ہوا کہ مسیح کا پاک اور بیش قیمت خون مجھے تمام گناہوں سے پاک کرتا ہے ۔ خدا کے اس بڑے فضل کو حاصل کرنے کے لئے کہ میں موردالطاف اور عنایات الٰہی ہوں ' خود میں نے کچھ نہیں کیا ۔ میں اس کے اس بڑے فضل کے بالکل ناقابل تھا کہ جس نے اس کی پہچان تک میری رسائی کی ۔ میں تو حضرت داؤد کے ہم زبان ہو کر یہی کہہ سکتا تھا کہ " انسان کیا ہے کہ تو اسے یاد رکھے اور آدم زاد کیا ہے کہ تو اس کی خبر لے (زبور ۸ آیت ۴) " اور رہا اپنی نسبت تو میں کیا کہہ

سکتا ہوں کہ میں ایک "لکڑی کی مانند تھا جو آگ سے نکالی جائے"

(عاموس ۴: ۱۱)

مسیحی رفاقت حاصل کرنے میں کامیابی

مسیحی تجربہ اور ایمان کی تنہا زندگی بسر کرنے کے کچھ عرصہ بعد خدا کا یہ فضل مجھ پر ہوا کہ مسیحی رفاقت کی خوشی کا تجربہ کرنے کی راہ بھی میرے لئے کھول دی گئی۔ مسیحی ایمان کا تجربہ گو اب تک کسی مسیحی ایماندار کی رفاقت سے خالی ہونے کے باعث زندگی کا تنہا تجربہ تھا تو بھی یہ تنہائی خدا کے پاک روح کے وسیلہ خدا کی حضوری سے خالی نہ تھی۔ غرضیکہ جب کسی سچے مسیحی ایماندار کی تلاش میں کامیابی نہیں ہوئی تو خدا نے ایک روز خاص موقع پر کلکتہ کالج اسٹریٹ کے وائی۔ ایم۔ سی۔ اے کے دروازہ تک میرے قدموں کی رہنمائی کی۔ یہ وہ موقع تھا کہ مشہور مسیحی مبلغ ڈاکٹر سیموئیل زویمر کلکتہ میں آئے ہوئے تھے اور وائی۔ ایم۔ سی۔ اے میں روزانہ تبلیغ کر رہے تھے۔ اس روز وائی۔ ایم۔ سی۔ اے کی عالیشان عمارت کے دروازہ پر ہندو چپڑاسی مسیحی تقاریر کا اشتہار تقسیم کر رہا تھا۔ مجھے اس وقت نہ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے کے اغراض و مقاصد کا علم تھا اور نہ ہی ان باتوں کا جن کا تعلق اشتہار سے تھا اس چپڑاسی سے میں نے چند منٹ اشتہار اور پھر اس کے جلسوں کے متعلق بات چیت کی جس سے مجھے پتہ لگا کہ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے مسیحی مذہب کا کلکتہ میں ایک مرکز ہے۔ فوراً میرے دل میں یہ خیال سمایا کہ کیوں نہ میں یہاں کسی مسیحی سے ملاقات کرنے کی کوشش کروں اور اس کوشش کے سلسلہ میں اپنے

ایسے احباب سے مل کر جن کی انگریزی تعلیم مجھ سے زیادہ تھی ' میں نے وائی۔ ایم۔ سی۔ اے کے متعلق مزید معلومات حاصل کیں اور ایک جوابی پوسٹ کارڈ اپنی ملاقات کے اشتیاق کا اظہار کرتے ہوئے اور یہ بتاتے ہوئے کہ میں مسیحی مذہب قبول کرنے کا متمنی ہوں ' سیکرٹری کے نام لکھ کر ڈال دیا۔ چند ہی دنوں کے بعد جواب آیا جس کے مطابق میں بدھ کے روز شام کے ۵ بجے وائی۔ ایم۔ سی۔ اے میں ملاقات کی غرض سے بلایا گیا۔ خط انگریزی میں ٹائپ تھا جس کے پڑھنے اور سمجھنے میں زیادہ وقت نہیں ہوئی لیکن دستخط پڑھنے سے میں معذور تھا۔ بہرحال پوسٹ کارڈ لے کر وائی۔ ایم۔ سی۔ اے پہنچا اور لوگوں کی مدد سے دستخط کنندہ کا نام معلوم کیا کہ ایف۔ ڈبلیو **اسٹنتھل** ہے۔ یہ ڈنمارک کے باشندہ تھے۔ آپ کی دونوں آنکھوں کی بصارت آنکھ کی کسی بیماری کی وجہ سے زائل ہو چکی تھی۔ کچھ عرصہ تک گفتگو ہوتی رہی اور پھر آپ کی تجویز پر میں آپ کے ساتھ ڈاکٹر زویمر کی تقریر سننے لیکچر ہال میں گیا۔ چونکہ آپ کی تقریر انگریزی زبان میں تھی ' تقریر کا مفہوم میری سمجھ میں نہ آیا۔ لیکن جلسہ برخاست ہونے پر جب سب لوگ چلے گئے تو مسٹر **اسٹنتھل** نے میری ملاقات ڈاکٹر زویمر سے کرائی۔ ڈاکٹر موصوف نے کچھ فارسی اور کچھ عربی میں مجھ سے گفتگو کی اور پھر انجیل کی یہ آیت لے کر کہ " راہ اور حق اور زندگی میں ہوں " خداوند یسوع کے دعویٰ کو میرے سامنے پیش کیا۔ اس سلسلہ میں سورۂ فاتحہ کی آیت ۴ **اھدنا الصراط المستقیم** (ترجمہ چلا ہم کو راہ سیدھی) پڑھ کر آپ نے بتایا کہ وہ صراط مستقیم خود خداوند یسوع مسیح ہیں۔ جنہوں نے فرمایا کہ " راہ اور حق اور زندگی میں ہوں۔ کوئی میرے وسیلہ کے بغیر باپ کے پاس نہیں آتا " (یوحنا باب ۱۴ آیت ۶)۔ اس گفتگو کا میرے دل پر گہرا

اثر ہوا اور میں نے محسوس کیا کہ سورۂ فاتحہ جو پانچ وقت روزانہ نماز میں پڑھتا تھا اور جس کے دوران میں یہ دعا کہ اهدنا الصراط المستقیم مانگا کرتا تھا وہ خدا کی درگاہ میں قبول ہوئی اور واقعی خدا نے اپنے فضل سے اس تک جو راہ اور حق اور زندگی ہے' میری رہنمائی کی اور اپنے اکلوتے بیٹے خداوند یسوع مسیح کی پہچان اس طرح مجھے بخشی۔

ہفتہ میں ایک روز اسٹنتھیل صاحب کے پاس مسیحی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے جانا قرار پایا۔ اگرچہ میں انگریزی آسانی سے سمجھ نہیں سکتا تھا اور نہ صاحب موصوف اردو بول سکتے تھے تو بھی آپ نے میرے ساتھ بائبل کا مطالعہ کرنے پر آمادگی ظاہر کی اور آپ نہایت آسان الفاظ میں بائبل کی عبارت سمجھانے کی کوشش کرتے تھے اور ہمیشہ بائبل کا مطالعہ ختم ہونے پر دعا کیا کرتے تھے۔ جب تک مسٹر اسٹنتھیل سے ملاقات نہیں ہوئی تھی' مسیحی دعا کے متعلق میں بہت کم جانتا تھا اور جو کچھ علم دعا کا تھا وہ اسی حد تک تھا جو دعائے عام کی دعاؤں کو روزانہ پڑھ کر مجھے حاصل تھا۔ میرا تصور مسیحی دعا اور عبادت کا اب تک رسمیہ تھا۔ مسیحی دعا کا تجربہ سب سے پہلے صاحب موصوف کی رفاقت کے ذریعہ ہی مجھے حاصل ہوا۔ یہ زندگی کا پہلا موقع تھا کہ میں ایک مسیحی کے ساتھ گھٹنے ٹیک کر خدا سے دعا مانگنے میں مصروف ہوا۔ میں آپ کے دعائیہ الفاظ ہمہ تن گوش سن رہا تھا جو آپ کے دل سے نکل کر گویا سیدھے خدا تک پہنچ رہے تھے۔ ناممکن تھا کہ مسیحا کی اس فضا میں جہاں خدا کا خادم اپنے سیدھے سادھے الفاظ میں خدا کو مخاطب کر کے اپنے دلی خیالات کا اظہار کر رہا تھا خدا کی حضوری محسوس نہ ہو۔ آپ اس طرح دعا کر رہے تھے کہ گویا آپ خدا سے گفتگو کر رہے ہیں اور آپ کی نابینا آنکھیں کسی نادیدنی ہستی کو دیکھ رہی

ہیں۔ میں نے آپ کا چہرہ ٹکٹکی باندھ کر دیکھا۔ آپ کے الفاظ بغور سنے اور معلوم ہوا کہ خدا کا یہ خادم اپنی جسمانی فضا سے کہیں دور آسمانی تخت کے سامنے اس خدائے قادر کی عین حضوری میں موجود ہے جہاں فرشتے بھی کانپتے ہیں۔ تب میں نے سمجھا کہ دعا کا کیا مطلب ہے۔ مجھے اس وقت یاد پڑا کہ ایک موقع پر میرے برادر اکبر نے میرے پنجگانہ نماز اور دیگر اسلامی رسوم کی پابندی کے متعلق اعتراض کرتے ہوئے مجھ سے دریافت کیا تھا کہ خدائے قادر مطلق کو جو اپنی ذات میں کسی غیر کا محتاج نہیں ہے اپنے بندوں کی عبادت اور ریاضت کی کیا ضرورت ہے اور جس حالت میں کہ ان عبادتوں کا کرنا چند مخصوص طریقوں سے اٹھنے بیٹھنے اور ہم ہندوستانیوں کے لیے ایک اجنبی زبان میں تلاوت کرنے پر موقوف ہو تو ان کے مقصد کا سمجھنا اور بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ اور پھر یہ کہ بعض باتیں خدا فرض اور واجب ٹھہرا کر ان کے پورا کرنے کے عوض میں اپنے بندوں کو جنت میں داخل کرے گا جہاں ان فرائض اور واجبات کی ادائگی کے صلہ میں انہیں وہاں عیش کی زندگی عطا کرے گا اس سے عبادت کی غرض اور غایت کو سمجھنا کس قدر دشوار طلب مسئلہ بن جاتا ہے لیکن جب میں نے مسیحی دعا کرنا سیکھا تب میں سمجھا کہ عبادت خدا کے ساتھ لین دین کرنے کا نام نہیں ہے عبادت اپنا صلہ آپ ہی ہے کیونکہ خدا کے فرزندوں کا اپنے آسمانی باپ کے ساتھ رفاقت حاصل کرنے کا نام عبادت ہے۔ یہ زمین پر رہتے ہوئے آسمان کی حقیقی خوشی کے روحانی ذائقہ کو حاصل کرتا ہے۔

میرے برہمو سماجی احباب

میرے حلقہ احباب میں بعض برہمو سماجی بھی تھے۔ جب ان احباب کو

معلوم ہوا کہ میں مسیحی مذہب قبول کرنا چاہتا ہوں تو انہوں نے مجھے برہمو سماج کا شریک بنانے کی بڑی کوشش کی۔ انہوں نے سمجھایا کہ اس سماج کی تعلیم کو اگر میں قبول کر لوں تو اسلام کو ترک کئے بغیر مسیحی مذہب کی جملہ خوبیوں کو میں حاصل کر سکتا ہوں۔ برہمو مذہب اور مسیحی فرقہ یونی ٹیرین کی تعلیمات پر بہت سی کتابیں میرے مطالعہ کے لیے مہیا کی گئیں۔ میں نے بلا تعصب ان کا مطالعہ کیا اور برہمو مذہب کے کئی ہادیوں اور استادوں سے شخصی ملاقات کے وسیلے فیض حاصل کرتا رہا۔ مسیحی مذہب کے متعلق وہ یہ نظریہ پیش کرتے تھے کہ حضرت مسیح کی تعلیم کلیسیائی تعلیم سے مختلف ہے اور کہ حقیقی مسیحیت کو کلیسیائی تعلیم نے بگاڑ ڈالا ہے۔ پس حقیقی مسیحیت صرف حضرت مسیح کے کلام میں اور بالخصوص پہاڑی وعظ میں پائی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں بزرگ پنڈت شیوناتھ شاستری جی کا نیاز حاصل کرتا رہا اور کئی بار ان کے صبح کی دعائیہ اجلاس کے موقع پر دیوا لائے مندر میں جو کارنوالس اسٹریٹ پر واقع ہے آپ کی عبادتوں میں شریک ہوا۔ مسیحی گرجا کی عبادت میں شریک ہونے سے کہیں پیشتر میں برہمو سماج کی عبادت میں سادھارن برہمو سماج کے مندر میں اتوار کی شام کو شریک ہوا کرتا تھا۔ برہمو مندر کے وعظ کا میرے دل پر بڑا اثر پڑتا تھا اور ایک وعظ جو مبارک جمعہ کو کارنوالس اسٹریٹ کے مندر میں میں نے سنا اب تک اس کی اکثر باتیں یاد ہیں اور اس موقع کے کلیسیائی وعظ سے بہت زیادہ ٹکراتا ہے۔ بزرگ کیشب چندر سین کے لکچروں کا بھی مطالعہ کیا اور بہتیری مفید اور عمدہ باتیں خداوند یسوع مسیح کے متعلق میں نے ان لکچروں سے سیکھیں۔ بہرحال برہمو سماج کی تعلیم سے میرے دل کو وہ تسلی نہیں ملی، جس کا میں متلاشی تھا میرے دل میں خداوند یسوع مسیح کی محبت کی آگ بھڑک رہی تھی اور

میری دلی آرزو صرف یہی تھی کہ میں آپ کے نام کا اعلانیہ اقرار کر کے اور مسیحی مذہب قبول کر کے آپ کا پیرو بن جاؤں ۔ روح القدس کی وہ تعلیم جو نئے عہدنامہ میں پائی جاتی ہے اور پھر عید پنتکست کے روز اس کا ظہور اور مسیحیوں کے پاس اس بائبل کا ہونا جس میں خداوند یسوع مسیح کی تعلیم پائی جاتی ہے ' یہ ساری باتیں صفائی سے بتا رہی تھیں کہ خداوند یسوع مسیح کے حقیقی پیرو وہی لوگ تھے جو مسیحی کہلاتے ہیں ۔ ہمارے خداوند یسوع مسیح اور روح القدس کی فرمانبرداری کا مطالبہ یہی تھا کہ میں برہمو مذہب کی تعلیم نہیں بلکہ مسیحی مذہب کی تعلیم کو قبول کروں میری نگاہ میں برہمو سماج کی حیثیت خداوند یسوع مسیح تک پہنچنے کی راہ کی صرف آدھی منزل کی سی تھی لیکن الٰہی فضل کے تحت میں اپنے منجی یسوع کا پورا پیرو بننا چاہتا تھا ۔

مدرسہ عالیہ کلکتہ سے میرے مسیحی ایمان کی ٹکر

زندگی کے واقعات جس جس طرح سے صورت پکڑتے گئے ان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ خدائے قادر مطلق باپ اپنے فضل اور رحم سے میری زندگی کی رہنمائی کر رہا تھا ۔ وہ خدائے قادر جس نے " سمندر کو چلو سے ناپا اور آسمان کی پیمائش بالشت سے کی اور زمین کی گرد کو پیمانہ میں بھرا اور پہاڑوں کو پلڑوں میں وزن کیا اور ٹیلوں کو ترازو میں تولا " اور جس کے سامنے " قومیں ڈول کی ایک بوند کی مانند ہیں اور ترازو کی باریک گرد کی مانند گنی جاتی ہیں ۔ دیکھ وہ جزیروں کو ایک ذرہ کی مانند اٹھا لیتا ہے (یسعیاہ باب ۴۰ آیات ۱۲ ' ۱۵) وہی خدا اپنی محبت میں اپنے آپ کو پست کرتا ہے تاکہ وہ چوپان کی مانند اپنا گلہ

چرائے اور بروں کو اپنے بازوؤں میں جمع کرے (دیکھو یسعیاہ باب ۴۰ آیت ۱۱) مجھ جیسے بھٹکے ہوئے برہ کو کبھی اپنے بازو میں اٹھا کر اور کبھی چلنے کی توفیق اور فضل دے کر اپنی راہ پر چلاتا رہا جو ذیل کے واقعات سے ظاہر ہے۔

حسب معمول ایک روز جب بائبل کے مطالعہ کے لیے اسٹنتھیل صاحب کے پاس گیا تو آپ نے ایک اجنبی صاحب سے میرا تعارف کرا کے ان کے پاس اس روز کلام الٰہی تلاوت کرنے کے لیے مجھے چھوڑ دیا۔ ان سے یہ میری پہلی اور آخری ملاقات تھی۔ آپ نے یوحنا کی انجیل کے پہلے باب کی ۹ ۲ آیت سے باب کے آخر تک پڑھنے کی ہدایت کی جہاں لکھا ہے کہ کس طرح یوحنا بپتسمہ دینے والے کی گواہی سن کر آپ کے بعض شاگرد خداوند یسوع مسیح کے پیچھے ہو لیے اور آپ کے شاگرد بن گئے اور " ان دونوں میں سے جو یوحنا کی بات سن کر یسوع کے پیچھے ہو لئے تھے ایک شمعون پطرس کا بھائی اندریاس تھا۔ اس نے پہلے اپنے سگے بھائی شمعون سے مل کر اس سے کہا کہ
" ہم کو خرستس یعنی مسیح مل گیا اور وہ اسے یسوع کے پاس لایا۔ " اور پھر " دوسرے دن یسوع نے گلیل میں جانا چاہا اور فلپس سے مل کر کہا میرے پیچھے ہو لے ...... فلپس نے نتن ایل سے مل کر اس سے کہا کہ جس کا ذکر موسیٰ " نے توریت میں اور نبیوں نے کیا ہے وہ ہم کو مل گیا۔ " اور تب آپ نے فرمایا کہ غور کرو کہ کس طرح اندریاس نے شمعون اپنے بھائی سے اور فلپس نے نتن ایل سے کہا کہ ہم کو مسیح مل گیا۔ ہر شخص جس کو مسیح مل جاتا ہے اس کا پہلا کام یہی ہے کہ وہ دوسرے کو بھی بتائے کہ مجھے مسیح مل گیا ہے کیا تم نے یہ گواہی دی ہے ؟ آپ نے بتایا کہ یہ میرا فرض ہے کہ سچا مسیحی بن کر میں مسیح کے نام کی گواہی دوں اور اگر واقعی مسیح مجھ کو مل گیا ہے تو

اندریاس اور فلپس کی طرح لوگوں کو بتانا میرا پہلا فرض ہے۔ یہ ایک مفید اور
عمدہ سبق تھا جو اس روز میں نے سیکھا چنانچہ اسی روز میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ
اسے عملی جامہ پہناؤں گا اور خدا جو اپنے بندوں کی فرمانبرداری کی اچھی نیت کو
بھی ترک نہیں کرتا اس نے اپنا فضل بخشا کہ اپنی اس نیت کے مطابق عمل
بھی کروں۔

دوسرے روز جب میں مدرسے چلا گیا تو اپنے دوستوں سے مسیح کے
متعلق گفتگو کرنے لگا۔ میرے اس خیال کے اظہار سے کہ خداوند یسوع مسیح کی
جان کے بچ گئی ہیں بعض حیران ہوئے اور بعض نے سمجھا کہ میں کفر بک رہا
ہوں۔ بڑی تیزی سے میرے عقیدے کے متعلق طلباء میں خبر پھیلنا شروع ہو گئی
اور بڑی جماعتوں کے بعض طلباء نے آ کر مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے ان کفر
کی باتوں سے توبہ نہ کی تو ان کو مجبوراً سختی کے ساتھ مجھ سے پیش آنا پڑے گا
اور عیسائی خیالات میرے دماغ سے نکال ڈالنے کے لیے جو تدبیر مناسب سمجھی
جائے گی، کرنا پڑے گی۔ یہی نہیں قبل اس کے کہ ان نوجوانوں کو اپنی تدبیر کے
استعمال کا موقع ملتا میرے مسیحی خیالات کی شکایت اسی روز میری جماعت کے
استاد سے کر دی گئی۔ دوپہر کے جلسے کے بعد جب جماعت پھر فراہم ہوئی تو
جماعت کے طلباء بے حد دنگے سے میری طرف اشارہ کر کے اور پکار پکار کر کہنے
لگے "عیسائی! عیسائی!!" جماعت کے استاد مولوی صاحب نے اسی وقت اس
کے متعلق مجھ سے جواب طلب کیا میں نے ان کے سامنے اپنے ایمان کا اقرار
کیا کہ میں خداوند یسوع مسیح پر ایمان رکھتا ہوں اور اسے خدا کا بیٹا جان کر اس
کی پرستش کرتا اور اسے اپنا منجی سمجھتا ہوں۔ میرے اس اقرار پر کفر! کفر!!
کا ایک شور برپا ہو گیا اور دوسری جماعتوں سے طلباء بھاگ بھاگ کر جماعت کے

آس پاس کھڑے ہو گئے اور ہر طرف یہ خبر پھیل گئی کہ مدرسہ کے اندر ایک لڑکا اسلام ترک کر کے عیسائی ہو گیا ہے ۔ فوراً مدرسہ کے کل مولویوں کی مجلس مشورت کی غرض سے فراہم ہوئی ۔ میں ان کے سامنے پیش کیا گیا ۔ سوالات کی بوچھاڑ مجھ پر کی گئی اور حالانکہ میں بحث و مباحثہ کی باتوں سے بالکل ناواقف تھا تو بھی مولویوں کو ان کے سوالات کے جواب برابر ملتے گئے اور میرے پائے استقلال میں نہ تو ان کے اعتراضوں سے اور نہ ان کی دھمکیوں سے خدا کے فضل نے فرق آنے دیا ۔ میں اپنی زندگی میں اس موقع پر خداوند کے اس وعدہ کو پورا ہوتا دیکھ رہا تھا کہ " جب وہ تم کو عبادت خانوں میں اور حاکموں اور اختیار والوں کے پاس لے جائیں تو فکر نہ کرنا کہ ہم کس طرح یا کیا جواب دیں یا کیا کہیں ۔ کیونکہ روح القدس اسی گھڑی تمہیں سکھا دے گا کہ کیا کہنا چاہئے"

(لوقا ۱۲ : ۱۱) ۔ مولوی صاحبان بے حد پریشان تھے ۔ آخرکار یہ قرار پایا کہ مجھ پر کسی قسم کا بھوت یا جن یا کسی عیسائی کی روح سوار ہے اور مناسب سمجھا گیا کہ مجھے مدرسہ سے نکال دیا جائے ۔

اس فیصلہ کے بعد مجلس برخاست ہونے پر میں جماعت میں آکر پھر بیٹھ گیا مگر میرے ہم جماعتی مجھ پر تھوکنے اور میری پوشاک پر گندی باتیں لکھنے لگے اس خوف سے کہ جماعت کے بعد یہ مجھے اور بھی زیادہ ستائیں گے ' میں نے اجازت لے کر مدرسہ سے نکل گھر کی راہ لی ۔ اس حال میں کہ میری پوشاک پر پیک کے داغ تھے مگر پشت پر ہونے کے باعث مجھے اس کا علم تک نہ تھا ۔ بہرحال دل میں یہ خوشی تھی کہ میں اس لائق سمجھا گیا کہ اپنے مبارک خداوند کے نام پر میری بے عزتی کی جائے ۔ راستہ میں اسٹنتھیل صاحب کا گھر پڑتا

تھا ۔ آپ سے ملاقات کر کے واقعہ کی اطلاع دی ۔ آپ نے میرے ساتھ دعا کی اور مجھے یاد دلایا کہ یہ ہفتہ خداوند کے دکھ کا ہفتہ تھا ۔ دو دن بعد وہ جمعہ آئے گا جو مبارک جمعہ کہلاتا ہے جس روز کلیسیا خداوند یسوع مسیح کی صلیبی موت کی یاد مناتی ہے ۔ اب میرے دل میں خود اپنے لیے کسی قسم کے خیال کی مطلق گنجائش نہ تھی میرے خیالات کا مرکز میرا منجی مسیح مصلوب تھا ۔

اس واقعہ کے دوسرے دن میں اپنے والد کے ہمراہ ان کے اصرار پر مدرسہ عالیہ گیا ۔ والد صاحب مخفی طور پر کل معاملات کی تحقیقات کرنے اور چونکہ اب تک میرا بپتسمہ نہیں ہوا تھا دوبارہ مجھے مدرسہ میں داخل کرانے کی کوشش کرنا چاہتے تھے ۔ والد صاحب مجھے یہ سمجھا کر لے گئے تھے کہ میں اپنی گستاخی کی معافی مولوی صاحبان سے مانگ لوں ۔ میں نے وعدہ کیا کہ اگر اپنے استادوں کی گستاخی کا کسی طور سے میں مرتکب ہوا ہوں تو ضرور معافی مانگ لوں گا مگر اپنے مذہبی عقیدہ کا کسی صورت سے بھی انکار نہیں کروں گا ۔ سارا وقت میرے ذہن میں میرے خداوند یسوع کے یہ الفاظ گردش کر رہے تھے کہ " جو کوئی آدمیوں کے سامنے میرا اقرار کرے گا میں بھی اپنے باپ کے سامنے جو آسمان پر ہے اس کا اقرار کروں گا مگر جو کوئی آدمیوں کے سامنے میرا انکار کرے گا ' میں بھی اپنے باپ کے سامنے جو آسمان پر ہے اس کا انکار کروں گا " (متی ۱۰ : ۳۳) ۔

میرے والد صاحب نے جب میرے استاد صاحبان سے ملاقات کی تو انہوں نے اپنے فیصلہ پر دوبارہ غور کرنے سے صاف انکار کر دیا اور یہ کہہ کر اس معاملہ پر مزید گفتگو فضول قرار دی کہ مجھ پر کوئی بد روح ہے اور میرا صرف ایک ہی علاج ہے کہ میرے جسم اور ذہن کو تکلیف دے کر یہ بد روح مجھ پر

سے اتاری جائے - میرے والد صاحب جو اس قسم کے توہمات کے خلاف تھے ' سخت ناراض ہوئے ' اور ان سے مخاطب ہو کر آپ نے کہا :-

" مجھے آپ جیسے مذہبی ہادیوں پر حیرت ہے جو ایک لڑکے کے مذہبی خیالات کی اصلاح کرنے کے بھی ناقابل ہیں اور اپنی اس ناقابلیت کا اعتراف کرنے سے بھی نہیں شرماتے بلکہ بھوت اور جن کا بہانہ ڈھونڈ کر اپنی مذہبی خدمت سے بھاگتے ہیں - آپ لوگوں کی اس عجیب ذہنیت کے باعث اگر یہ لڑکا اسلام ترک کرکے عیسائی بن جائے تو کوئی تعجب کی بات نہ ہو گی - اس کی ذمہ داری آپ ہی لوگوں پر عائد ہو گی - "

سی - ایم - ایس ہائی سکول کلکتہ کی مسیحی رفاقت

کلکتہ مدرسہ عالیہ کا یہ واقعہ مسیحی رفاقت کے ایک وسیع دائرہ میں داخل ہونے کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور خداوند یسوع مسیح کے علانیہ پیرو بن جانے کا ایک ذریعہ بن گیا - اس واقعہ کے بعد ہر مسلمان کی نگاہ میں میں مرتد تھا اور لوگ مجھے عیسائی سمجھنے لگے - مدرسہ عالیہ سے نکالے جانے کے بعد میں سی - ایم - ایس ہائی سکول میں داخل ہو گیا - زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ مسیحی لوگوں کی رفاقت کا فخر مجھے حاصل ہوا - یہ عجیب تبدیلی تھی ' اب تک میں ایسے مدرسہ میں پڑھتا تھا جہاں کل طلباء اور استاد مسلمان تھے اور اب میں ایسے اسکول میں داخل ہوا جہاں کل طلباء اور استاد مسیحی تھے - اول الذکر مدرسہ میں سب کی پوشاک اسلامی اور زبان اردو تھی اور اب اس سکول میں سب کا پہناوا

سوائے چند کے جو انگریزی وضع کی پوشاک پہنتے تھے ' بنگالی تھے اور ان کی زبان بھی بنگالی تھی ۔ لیکن یہاں کے استاد و طلباء کی مسیحی خصلت اور محبت میرے لئے ایک نئی چیز تھی ۔ یہاں مسیحی زندگی کی عملی صورت میرے لئے تجربہ اور مشاہدہ میں آرہی تھی کاش کہ یہ باتیں آج کل کی مسیحی مدرسوں کے حق میں بھی سچ ہوں ۔ اس سکول میں طلباء خود بتیری صورتوں سے مسیحی خدمات انجام دیتے تھے اور ان کی اپنی ایک انجمن تھی جو سینٹ پالز برادر ہڈ (اخوت پولوسیہ) کہلاتی تھی ۔ ہر اتوار کی شام کو گرجا کی عبادت کے بعد مختلف جھنڈوں میں یہ مسیحی طلباء کلکتہ کی سڑکوں کے چوراہوں پر انجیل کی منادی کرنے جاتے تھے ۔ ان طلباء کا ایک گروہ کلکتہ کے بڑے ہسپتال ' میڈیکل کالج میں بیماروں کی عیادت اور ان سے گفتگو کرنے اور ان کے کسی کام کو سرانجام دینے کی غرض سے جایا کرتا تھا ۔ اپنے ان دوستوں کے ساتھ میں نے زندگی کے وہ تجربے حاصل کئے ' جن کے لئے ہمیشہ خدا کا شکر کرتا ہوں اور اپنے طالب علمی کے ایام میں بہترین دنوں میں ان کا شمار کرتا ہوں ۔ اس میں شک نہیں کہ انسان کی زندگی کی بہترین مساعت وہ ہے جو دوسروں کی خدمت میں صرف کی جائے ۔

ھکن بوتھم صاحب اور آپ کی تبلیغی سرگرمی

سی ۔ ایم ۔ ایس ہائی سکول کلکتہ میں میرے داخل ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد پرنسپل ایس ڈی ہانٹڈ کو اپنی علالت کے باعث ولایت جانا پڑا اور آپ کی جگہ ایک نئے پرنسپل مقرر ہوئے جن کا نام مسٹر جے ۔ ایچ ہکن بوتھم تھا ۔ آپ خداوند یسوع مسیح کے ایک سرگرم مناد اور مبلغ تھے ۔ آپ کی زندگی کا نصب العین ہی لوگوں کو خداوند کے قدموں میں لانا تھا ۔ دنیا سے آپ کا تعلق صرف اسی قدر تھا کہ خداوند یسوع مسیح کی بادشاہت اس دنیا میں لائی جائے ۔ آپ اس سے قبل عرصہ تک بنگال میں مسیحی تبلیغی خدمات انجام دے چکے تھے آپ ضلع ندیا میں اپنی جوشیلی خدمات اور سرگرمیوں کی وجہ سے گولی کا نشانہ بن چکے تھے چند متعصب بنگالی نوجوانوں نے آپ کی مسیحی سرگرمی دیکھ کر آپ کی دنیاوی زندگی ختم کر ڈالنے کا فیصلہ کیا اور ایک رات کسی بہانے سے آپ کو مکان سے باہر کچھ فاصلہ پر کھیت میں لے جا کر گولی چلا دی ۔ آپ کی زبان سے پکار کی آواز نکلی اور فرش زمین پر بے ہوش ہو کر گر پڑے ۔ مسیحی احباب کو کھٹکا ہوا اور فوراً دوڑ پڑے ۔ گولی سینہ کے پار ہو چکی تھی مگر زندگی باقی تھی ۔ اس نازک حالت میں بمشکل آپ کلکتہ کے میڈیکل کالج میں پہنچائے گئے جہاں عرصہ تک زیر علاج رہنے کے بعد آپ نے شفا پائی ۔ گو آپ پر قاتلانہ حملہ کرنے والوں کا آپ کو علم تھا لیکن اپنے آقا اور منجی کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے کہ " اپنے دشمنوں سے محبت رکھو ۔ جو تم سے عداوت رکھیں ' ان کا بھلا کرو ' جو تم پر لعنت کریں ان کے لئے برکت چاہو ' جو تمہاری تحقیر کریں ' ان

کے لئے دعا کرو" (لوقا ۶: ۲۷: ۲۸) - آپ نے کبھی ان کا نام ظاہر نہیں کیا بلکہ ان کی بہبودی کے ہی آپ دعا گو رہے - غرض یہ کہ آپ اپنی صحت کے بعد اپنی والدہ محترمہ سے ولایت ملاقات کرنے گئے تھے اور اب انگلستان کے شہر برمنگھم سے جہاں آپ کا مکان تھا واپس ہندوستان آکر اس ی - ایم - ایس اسکول میں پرنسپل مقرر ہوئے تھے -

کن بوتھم صاحب جیسے عاشق مسیح کی سرپرستی کے باعث ہمارے مدرسہ کی مذہبی انجمن (اخوت پولوسیہ) کی بشارتی مہم میں ایک نئی سرگرمی پیدا ہو گئی - آپ کی رفاقت نے طلباء کے دل میں خداوند یسوع مسیح کے لئے ایک نئی محبت اور تازہ امنگ پیدا کر دی تھی - ان دنوں یہ دستور تھا کہ طلباء اپنی تعطیل کے کچھ دن بنگال کے گاؤں میں اور دیہاتوں میں بشارت کی غرض سے صرف کرتے تھے - کہیں ڈیروں میں کہیں مشن کے کسی مکان میں ہم چند دنوں کے لئے قیام کرتے تھے اور وہاں سے آس پاس کے مقاموں میں منادی کی غرض سے جایا کرتے تھے - انہی موقعوں پر میں نے بنگلہ زبان میں خداوند یسوع مسیح کے نام کی منادی کرنا سیکھی اور یہ اس وقت جب کہ مجھے مسیحی کلیسیا کا باقاعدہ شریک ہونے کا ابھی فخر حاصل نہیں تھا - دیہات کے کسی ایک اسی قسم کے بشارتی دورہ سے واپسی پر کن بوتھم صاحب کی تبلیغی سرگرمی دیکھ کر بپتسمہ لے کر باقاعدہ مسیحی جماعت کے شریک ہونے کی آرزو کا میں نے آپ سے اظہار کیا - میرے اس اظہار تمنا کے بعد صاحب موصوف مجھے موسم گرما کی تعطیل میں اپنے ہمراہ بنگال کے ضلع ندیا کے مقام بلبھ پور میں لے گئے - یہ پہلا موقع تھا کہ قریب دو ماہ کے عرصہ کے لئے میں گھر سے جدا ہوا تھا - یہ دو مہینے میں نے بنگال میں گاہ بگاہ منادی کرنے اور مسیحی تعلیم حاصل کرنے میں گزارے - بنگال

کے اس علاقہ میں مسیحیوں کی کافی آبادی تھی یہ زیادہ تر کاشتکار تھے اور مسلمانوں میں سے نکل کر مسیحی ہوئے تھے ۔ دیہات میں جب کُن بو تھم صاحب رہتے تھے تو عموماً دیسی بنگالی وضع کا لباس دھوتی اور کرتا پہنا کرتے تھے ۔ صاحب موصوف کی صحبت میں میں نے بھی اچکن اور پاجامہ ترک کر کے یہی لباس اب اختیار کر لیا تھا ۔

تعطیل ختم ہوئی ہم واپس کلکتہ آئے ۔ کُن بو تھم صاحب نے صلاح دی کہ اب گھر پر والدہ سے رخصت لے کر میں بورڈنگ ہاؤس میں آکر مدرسہ ہی میں رہا کروں ۔ والدہ محترمہ سے رخصت لینا آسان کام نہ تھا ۔ دو ماہ کے بعد مکان پر واپسی اور اب کس طرح اپنی شفیق ماں سے منہ کھول کر کہہ سکتا تھا کہ اب اجازت دیجئے کہ میں آپ کو چھوڑ کر بورڈنگ ہاؤس میں جاکر اور طلباء کے ساتھ رہوں ۔ میں جانتا تھا کہ میری شفیق ماں کو یہ میری جدائی سخت ناگوار گزرے گی ۔ اس کا صرف ایک ہی طریقہ تھا کہ بغیر کہے خاموشی سے چلا جاؤں مگر یہ بھی اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ ظلم تھا ۔ آخر کار جبراً ماں کے سامنے کچھ اس قسم کے الفاظ ادا کئے کہ " میں بورڈنگ ہاؤس جاتا ہوں اور آئندہ وہیں رہوں گا ۔ " تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا اور اپنی ماں کی اس وقت کی مایوس نگاہوں کو بھلانے کی کوشش کرتا ہوا بورڈنگ پہنچ گیا ۔

ایک سخت تجربہ اور پھر بپتسمہ

سی ۔ ایم ۔ ایس ہائی سکول کے بورڈنگ ہاؤس میں پہلی رات تھی کہ شام کے کھانے سے فارغ ہو کر ہم سب ہال میں اسٹڈی یعنی مطالعہ کے لئے جمع

تھے ۔ پورے ہال میں خاموشی تھی ۔ ہر لڑکا مطالعہ میں مصروف تھا یا مطالعہ کا بہانہ کئے بیٹھا تھا کہ چپڑاسی نے آکر خبر دی کہ میری والدہ محترمہ بورڈنگ کے دروازہ پر میری ملاقات کی منتظر ہیں ۔ اس پیغام نے دل کو تڑپا دیا ۔ ماں کی محبت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا ۔ میں گھر سے آنے کو تو آگیا مگر محبت کی ماری ماں کو چین نہ آیا ۔ شام ہوتے ہی بے قرار ہو کر میرے چھوٹے بھائی کو ہمراہ لے کر گھر سے نکل کھڑی ہوئیں ۔ بے چین طبیعت کے ساتھ میں کتاب چھوڑ کر ماں کے قدموں کے پاس حاضر ہوا اور والدہ محترمہ کو ملاقات کے کمرہ میں لا کر بٹھایا ۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے آپ بضد تھیں کہ میں آپ کے ہمراہ مکان پر واپس جاؤں ۔ آخر اس میں مضائقہ ہی کیا تھا ۔ مسیحی ہونے کا مکان چھوڑنے سے بھلا کیا تعلق ! بلا ضرورت ماں کے دل کو صدمہ پہنچانے سے کیا فائدہ ! لیکن سوال یہ تھا کہ کیا مکان پر رہتے ہوئے میں مسیحی مذہب کو علانیہ قبول کر سکتا تھا ؟ والدین کہاں تک گوارہ کر سکتے تھے کہ میں اسلام کو ترک کر کے مسیحی بن جاؤں اور پھر بھی ان کے ساتھ رہوں ! والدین کے علاوہ کیا پڑوس کے لوگ اس امر کے مجاز ہو سکتے تھے کہ ایک مسیحی لڑکا جو ان کی نگاہ میں مرتد ہے ان کے درمیان رہے ؟ یہ سوالات تھے جو سر میں چکر لگا رہے تھے ۔ مگر ساتھ ہی خداوند یسوع کے یہ الفاظ کان میں گونج رہے تھے کہ " جو کوئی باپ یا ماں کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتا ہے وہ میرے لائق نہیں " (متی ۱۰ : ۳۷) بہرحال میں والدہ محترمہ کے ساتھ مکان پر جانے کے لئے راضی ہو گیا ۔ مگر شرط یہ ٹھہرائی کہ مجھے مسیحی ہونے کی اجازت دی جائے ۔ ایک مسلمان ماں کے لئے یہ مشکل ہے کہ اپنے منہ سے صریح الفاظ میں اپنے بیٹے کو تبدیلی مذہب کی اجازت دے مگر واہ رے اس ماں کی محبت ! کہ آپ نے کچھ اس

قسم کے الفاظ میں جواب دیا کہ اچھا بیٹا ! اگر تم مسیحی مذہب میں ہی اپنی نجات سمجھتے ہو اور یہی تمہاری دلی آرزو ہے تو بہتر' لیکن مذہب کا تعلق دل سے ہے - کیا ضرورت ہے کہ اپنے اس ایمان کا برملا علانیہ اظہار کرتے پھرو - اپنا ایمان اپنے ساتھ ہے - گھر چلو - جس طرح اب تک رہتے آئے ہو اس طرح رہنا' اپنا مسیحی ایمان دل میں رکھنا - اس کا مطلب میری سمجھ میں یہی آیا تھا کہ مسلم نما مسیحی بن کر رہوں تب خداوند یسوع مسیح کے یہ الفاظ کان میں سنائی دیئے " جو کوئی مجھ سے اور میری باتوں سے شرمائے گا' ابن آدم بھی جب اپنے اور اپنے باپ کے اور پاک فرشتوں کے جلال میں آئے گا تو اس سے شرمائے گا" (لوقا ۹:۲۶) -

اس قیل و قال کے درمیان بکن بوتھم صاحب تشریف لائے اور میری والدہ آڑ کر کے پردہ میں ہوگئیں اور صاحب موصوف کے ساتھ سلسلہ کلام شروع ہوگیا - میری والدہ کی پریشانی کی وجہ زیادہ تر میرا آپ کی آنکھوں سے اوجھل ہو کر غیروں کے درمیان زندگی بسر کرنا تھی - آپ کو اندیشہ تھا کہ آپ سے جدا ہو کر میں کس طرح اجنبی لوگوں میں رہوں گا اور اجنبی بھی ایسے کہ جن کی شکل تک آپ نے نہیں دیکھی تھی - مگر نصف گھنٹہ کی گفتگو سے آپ کے دل کو تشفی ہوگئی کہ صاحب موصوف کیسے نیک اور خدا پرست تھے اور میرے لئے آپ کے دل میں کس قدر محبت تھی اور صاحب موصوف کی نیک طبیعت سے متاثر ہو کر آپ نے اجازت دے دی کہ میں بورڈنگ ہاؤس میں قیام کروں بشرطیکہ ہفتہ بہ ہفتہ مکان پر آکر آپ سے ملاقاتُ کر لیا کروں - آپ نے یہ بھی یقین دلایا کہ میرے بپتسمہ کے موقع پر کسی قسم کی مزاحمت نہ تو میرے والد

صاحب کی طرف سے اور نہ ہی اہل محلہ کی طرف سے کی جائے گی۔ ایک مسلمان خاتون کا اس قسم کا ذمہ لینا بعض کے لئے نہایت عجیب بات معلوم دے گی۔ لیکن ایسی خواتین موجود ہیں کہ جن کی نیک اور پاک زندگی کا اثر اور دبدبہ مردوں پر اس قدر ہے کہ ایک معنی میں وہ نہ صرف اپنے گھر بلکہ اپنے محلہ کی ملکہ ہیں میری والدہ محترمہ نیک اور پاک زندگی کا اثر بھی لوگوں میں کچھ کم نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے ایسے موقع پر جب لوگ بعض اوقات جہالت اور تعصب کے باعث اور بعض اوقات اپنے مذہب کی غیرت اور محبت سے مجبور ہو کر ایک مسلمان کے ترک اسلام کے موقع پر مزاحمت کرنے کی ٹھان لیتے ہیں آپ نے امن کا ذمہ نہ صرف اپنے لوگوں کی طرف سے بلکہ دیگر مسلمانوں کی طرف سے بھی لیا۔

یہ تمام واقعات ▬ کے جون کے مہینے کے آخری ہفتہ کے ہیں۔ اس کے بعد جولائی کی ساتویں تاریخ جو اتوار کو پڑتی تھی میرے بپتسمہ کا دن مقرر کیا گیا۔ جو بات غیر متوقع طور سے حاصل ہو اس کی خوشی زیادہ ہوتی ہے۔ ایک بڑا سبق خدا نے زندگی میں اس موقع پر یہ سکھایا کہ زندگی کے نازک موقعوں پر جب فیصلہ خدا کے حق میں کیا جاتا ہے تو پھر خدا آگے کو اس معاملہ کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔ انسان جب زندگی کے محض جسمانی اور خود غرضی اور اپنی سہولت کے پہلو کو مد نظر رکھ کر فیصلہ کرتا ہے تو پھر ذمہ داری اس کی اپنی رہتی ہے مگر جب معاملہ ایسا آ پڑتا ہے کہ ایک طرف خدا اور مشکلات اور دقتیں بلکہ صعوبتیں ہوتی ہیں اور دوسری طرف خود غرضی یا اپنی سہولت اور فراغت ہوتی ہے تو ایسے موقعوں پر جب فیصلہ خدا کے حق میں انسان کرتا ہے تو پھر مشکلات اور دقتیں اور صعوبتیں روحانی ترقی کے زینے بن جاتے ہیں۔ میں نے زندگی

میں بارہا اس امر کا تجربہ کیا ہے کہ زندگی کا ہر نازک معاملہ خدا پر کامل بھروسہ رکھنے کا ایک موقع ہے اور جب اپنی مرضی اور سب کچھ خدا کے سپرد کر دیا ہے تو یہی آواز ہے کہ "یہی راہ ہے اس پر چل" (یسعیاہ ۳۰:۲۱)۔ مذکورہ بالا واقعہ یہی سکھاتا ہے کہ جس وقت میری عزیز ماں کے آنسو اور مسیح کا انکار ایک طرف تھا اور مسیح کے ساتھ پوری وفاداری دوسری طرف تھی اور جب میں نے اپنی مرضی خدا کے سپرد کر کے مسیح کے حق میں فیصلہ کیا تو خدا نے سب کچھ بحال کر دیا۔ خدا پر بھروسہ اور ایمان کی جانچ اس وقت ہوتی ہے جب نہ صرف مایوسی کا سامنا ہو بلکہ جب مشکل کا حل بالکل ناممکن دکھائی دے۔ جب انسانی آنکھ کوئی راہ نہ دیکھ پائے تو اس وقت بھی خدا پر بھروسہ رکھنا سچے ایمان کی نشانی ہے اور یہی مشکلات کے حل کرنے کا الٰہی طریقہ ہے۔

زندگی کے گزرے تجربہ سے اس حد تک میں نے خدا پر بھروسہ کرنا سیکھا تھا، اس کی جانچ بہت جلدی کی گئی۔ جولائی کی چھ تاریخ ۱۹۰۰ کو سنیچر کا دن تھا اس کے دوسرے دن میرا بپتسمہ تھا۔ اس سنیچر کو خدا نے اپنے ایک نیک بندہ سے ملاقات کرنے کا مجھے شرف بخشا اور یہ ملاقات ایک ایسی رفاقتوں کے سلسلہ کی پہلی کڑی ثابت ہوئی کہ روحانی زندگی پر جن کا گہرا اثر پڑا ہے۔ عرصہ ہوا کہ آپ اپنے آسمانی وطن میں اپنے آقا اور منجی کے حضور پہنچ گئے، جس کا ذکر ہر لمحہ آپ کی زبان پر رہتا تھا اور جس کا تذکرہ آپ اس محویت سے کرتے تھے کہ کھانا پینا نہ صرف آپ بھول جاتے تھے بلکہ آپ کے سننے والے بھی اور گھنٹوں پر گھنٹے گزر جاتے تھے مگر محسوس نہ ہوتا تھا۔ گویا زمانہ کی قید میں رہتے ہوئے آپ ابدیت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ کا اسم گرامی بابو گیانندر ناتھ بسواس تھا اور ضلع ندیا میں مبلغ کی حیثیت سے آپ مسیح کی خدمت

پر مامور تھے۔ آپ کے چہرے سے جس پر لمبی گھنی سفید ڈاڑھی تھی اور آپ کی بڑی بڑی آنکھوں سے بزرگی ٹپکتی تھی اور استقلال ظاہر ہوتا تھا۔ اس پہلی ملاقات کے موقع پر تعارف کے بعد ہی آپ نے میرے ایمان اور خدا پر کامل بھروسہ رکھنے کے متعلق سوال کیا اور یہ معلوم کرنے پر کہ جب سے بپتسمہ کی تاریخ مقرر ہوئی ہے میں بورڈنگ ہاؤس سے باہر نہیں نکلا ہوں تو آپ نے فرمایا اگر واقعی خدا پر جسے ہم مسیحی باپ کہہ کر پکارتے ہیں ' تمہارا ایمان اور بھروسہ ہوتا تو مدرسہ کی چار دیواری کو اپنی پناہ تصور کرکے باہر مسلمانوں کے خوف سے تم اندر نہ بیٹھے رہتے۔ یہ ایمان کہ خدا صرف دیوار کے اندر ہی ہماری حفاظت کر سکتا ہے ' اس کی قدرت کو یا تو محدود کر دیتا یا مٹی کی دیواروں کو خدا سے زیادہ قادر سمجھتا ہے۔ علاوہ اس کے مسیح کے نام پر ستائے جانے کا خوف دل میں رکھنا اور اس ڈر سے چھپے رہنا ایسی بزدلی کی علامت ہے جو خداوند یسوع مسیح کے سچے پیرو بننے کے منافی ہے۔ مسیح کے پیرو اس کی خاطر اپنی جان تک قربان کر دینے سے نہیں ہچکچاتے ہیں۔ مسیح کا قول ہے " اگر کوئی میرے پاس آئے اور اپنے باپ اور ماں اور بیوی اور بچوں اور بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی نہ کرے تو میرا شاگرد نہیں ہو سکتا " (لوقا ۱۴ : ۲۶)۔ تب آپ نے فرمایا کہ اگر واقعی خدا پر تمہارا بھروسہ ہے تو تمہیں لازم ہے کہ گھر جاکر اور دوسرے دوستوں سے مل کر ان کو دعوت دو کہ تمہارے بپتسمہ کے موقع پر حاضر ہوں اور ان کے پاس جاکر اپنے بپتسمہ سے قبل خداوند یسوع مسیح کے نام کی گواہی دو۔ آپ کے اس چیلنج کو منظور کرتا ہوا میں گھر پر گیا اور وہاں سے اور احباب کے پاس جاکر اپنے ایمان کا میں نے اقرار کیا اور دوسرے روز گرجا کی عبادت میں میرے بپتسمہ کے موقع پر آنے کی انہیں دعوت دی۔

ہولی ٹرینٹی چرچ مسیحیوں کا گرجا ہے اور عبادت بنگلہ زبان میں ہی ہوتی ہے۔ جولائی [illegible]ء کی سات تاریخ کو اس کے بپتسمہ دینے کا حوض جو صدر دروازہ کے متصل ہے پانی سے بھرا گیا اور شام کی عبادت کے دوران پادری صاحب کینن جوزف پران ناتھ بسواس گانے والے لڑکوں کے جلوس میں عبادت کرانے کے مقام سے اتر کر حوض پر آئے اور ساری جماعت کے سامنے مجھ سے رسولوں کا عقیدہ پڑھوایا اور حوض میں اتار کر مسیحی دستور کے مطابق باپ ' بیٹے اور روح القدس کے نام پر مجھے بپتسمہ دیا۔ اس اتوار کو معمول سے زیادہ گرجا گھر لوگوں سے بھرا تھا۔ اپنے خداوند یسوع مسیح کے فرمان کی تعمیل میں اس رسم کے پورا ہونے پر میں نے اپنے آپ کو صحیح اور پورے معنوں میں مسیحی تصور کیا " جو ایمان لائے اور بپتسمہ لے وہ نجات پائے گا " (مرقس ۱۶ : ۱۶)۔ انجیل کے اس اعلان کے مطابق میں اپنے آپ کو نجات یافتہ محسوس کر رہا تھا اور اس سے بڑھ کر انسان کے لئے خوشی کا باعث اور ہو ہی کیا سکتا ہے لیکن دوسرے معنوں میں میں دیکھ رہا تھا کہ نجات یافتہ زندگی کا یہ آغاز ہے۔ دنیا ' نفس اور شیطان سے جنگ کی یہ ابتدا ہے۔ میں کلیسیا کا جو مسیح کا جسم ہے اب شریک تھا اور یوں مسیح کا ایک عضو۔ اب زندگی کے مرکز پر تبدیلی لازم تھی۔

عام طور پر نومسیحی کی حقیقی مشکلات کا آغاز کلیسیائی شراکت سے ہوتا ہے۔ مسیحی جماعت سے اب اس کا گہرا اور قریبی تعلق ہوجاتا ہے۔ پہلے وہ دور سے مسیحی زندگی دیکھا کرتا تھا لیکن اب وہ قریب سے دیکھتا ہے اور کئی باتوں میں اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ نام نہاد اور بعض پیدائشی مسیحیوں کی زندگی دیکھ کر اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لئے ایک نومسیحی کے لئے یہی وہ

موقع ہے جب اسے مسیحی جماعت اور مسیحی زندگی میں امتیاز کرنے کی ضرورت ہے، جب اسے پیدائشی مسیحی اور نئی پیدائش کے وسیلہ نئی زندگی پائے ہوئے مسیحیوں کے فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔ بپتسمہ کے بعد مسیحی تعلیم کا سلسلہ منقطع نہیں ہونا چاہئے بلکہ اب مسیحی تعلیم کے اور بھی گہرے پانی میں اترنا چاہئے۔ اگر اب تک مسیحی مذہب کے محض تعلیمی پہلو پر زور دیا گیا ہے تو اب اس کے اس پہلو پر زور دینا چاہئے جس کا تعلق اندرونی زندگی اور تجربے سے ہے۔ خدا نے اپنے بڑے فضل سے کلیسیائی جماعت کے ان خارجی اثرات سے جن سے مایوسی ہوتی ہے، مجھے بچائے رکھا اور خدا جسے میری کمزور انسانی طبیعت کا علم تھا مجھے ایسے لوگوں کی رفاقت میں رکھتا رہا، جہاں دن بدن میں خداوند یسوع مسیح کی قوت اور جلال کا مشاہدہ کرتا رہا۔ کینن پر ان ناتھ بسواس اور کین بوتھم صاحب میری روحانی زندگی کی ترقی کے لئے کوشاں رہے اور اول الذکر نے کلیسیا کی پوری شرکت سے مجھے فیض یاب کرانے کے لئے میری مسیحی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور بپتسمہ کے کچھ ہی عرصہ بعد بشپ کو ہلنس کے دست مبارک سے سینٹ برنارڈ کے گرجا میں مجھے مستحکم کرا کر اس کلیسیائی رسم کو بھی پورا کرا دیا۔ جب کبھی اس رسم کے حقیقی اور باطنی معنوں پر زور دیا جاتا ہے جو قریب قریب کل کلیسیاؤں میں کسی نہ کسی صورت سے عمل میں لائی جاتی ہے تو اس کا مطلب روح القدس کا وہ انعام ہے جس کا ذکر مقدس پطرس نے پنتکست کے موقع پر اپنے وعظ میں کیا تھا۔ "توبہ کرو اور تم میں سے ہر ایک اپنے گناہوں کی معافی کے لئے یسوع مسیح کے نام پر بپتسمہ لے تو تم روح القدس انعام میں پاؤ گے" (اعمال ۲: ۳۸)۔ اسی کو کلیسیا کی پوری شراکت بھی کہتے ہیں۔ خدا کی کلیسیا خدا کے پاک روح کی سکونت کا مقام ہے

اور جو شخص توبہ کرکے مسیح پر ایمان لاتا اور بپتسمہ لیتا ہے وہ کلیسیا کے شریک ہونے کے باعث روح القدس کی برکتوں میں شریک ہوتا ہے۔ لیکن روح القدس کی برکتوں میں شریک ہونا اور روح القدس کی معموری کو حاصل کرنا دو مختلف باتیں ہیں۔ جو شخص ایمان اور توبہ کے ذریعہ روح القدس کا مسح پاتا ہے آگے چل کر اسے روح القدس کی بھرپوری بھی حاصل کرنا لازمی ہے۔ جس طرح توبہ اور ایمان کے وسیلہ روح القدس انعام میں ملتا ہے' اسی طرح زندگی کی کامل مخصوصیت کے وسیلہ روح القدس کی معموری حاصل ہوتی ہے۔

کلکتہ سے آگرہ کا سفر

سی۔ ایم۔ ایس ہائی اسکول کلکتہ ایک بنگالی مدرسہ ہے۔ یہاں بنگالی زبان میں تعلیم دی جاتی اور مادری زبان کی اعتبار سے بنگلہ اور سنسکرت پڑھائی جاتی ہے۔ اپنی تعلیم کے سلسلہ میں میں اب تک اردو اور فارسی ہی سیکھتا رہا۔ بپتسمہ سے فارغ ہونے پر احباب کو میرے امتحان کی فکر ہوئی اور یہ طے پایا کہ مجھے آگرہ سینٹ جانز ہائی سکول میں آئندہ تعلیم کے لئے بھیج دیا جائے۔ آگرہ کا سفر میرے لئے لندن کے سفر سے کم نہ تھا۔ اب سوال یہ درپیش تھا کہ مجھے آگرہ پہنچانے کون جائے۔ اسی زمانہ میں ولایت سے ایک نوجوان مشنری مسٹر بی۔ ڈبلیو۔ ہین اوکسفورڈ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہوکر ہمارے مدرسہ میں بطور استاد کے آئے تھے چنانچہ یہ طے پایا کہ بی۔ ڈبلیو۔ ہین صاحب مجھے آگرہ پہنچانے کے لئے میرے ہمراہ جائیں۔ آپ مدرسہ میں ہماری جماعت کو انگریزی اور تاریخ پڑھاتے تھے۔ تاریخ کے سلسلہ میں میں اکثر جماعت میں

آپ پر اعتراض کر بیٹھتا تھا جو واقعی بحیثیت طالب علم کے میرے لئے نہایت ناجائز بات تھی ۔ اس کا سبب یہ تھا کہ آپ نے ہندوستان کی تاریخ کے سلسلہ میں ایسی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا جو درسی تھیں اور جن میں انگریزی حکومت کی برکات اور گزشتہ اسلامی حکومت کی برائیاں بھری تھیں ۔ اسلامی تاریخ کا مجھے بچپن سے شوق تھا اور کئی کتابیں اس مضمون پر میری نظر سے گزر چکی تھیں ۔ اس لئے جب آپ اسلامی حکومت کی برائیاں بیان کرتے تو طبیعت بے چین ہو جاتی اور بغیر ٹوکے مجھ سے رہا نہ جاتا تھا ۔ غرض یہ کہ آپ کے ساتھ سفر کرکے ہم آگرہ پہنچے ۔ مدرسہ میں داخل کرانے کے بعد آپ خود مجھے تاج اور آگرہ کے قلعہ کی سیر کرانے لے گئے ۔ یہ پہلا موقع تھا کہ خاندان مغلیہ کی قدیم عمارتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا ۔ ان عمارتوں کا چپہ چپہ میرے دل میں ہندوستان کی قدیم حکومت کی یاد تازہ کرکے طبیعت میں ایک جوش پیدا کر رہا تھا ۔ وطن کی کھوئی ہوئی شان کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھنچ رہا تھا ۔ میرے ساتھ میرے استاد ایک انگریز تھے ۔ میں نے آپ کے چہرہ کو دیکھا اور کس طور سے آپ کا دل بھی ان عمارتوں کو دیکھ کر متاثر ہو رہا تھا ' آپ کا چہرہ بتا رہا تھا ۔ ہر عمارت میں داخل ہوتے ہی ادب سے آپ ٹوپی اتار لیتے تھے ۔ اس موقع پر آپ کی گفتگو کا انداز سنجیدہ اور مئودبانہ تھا ۔ میرے اپنے وطن کی قدیم یادگار کے ساتھ اس انگریز استاد کے احترام کو دیکھ کر میرے دل میں صاحب موصوف کے لئے بڑی عزت اور محبت پیدا ہو گئی اور اپنے پچھلے گستاخانہ سلوک کو یاد کرکے پچھتایا

سینٹ جانز کرسچن ہاسٹل کا مسیحی تجربہ

۱۹۱۳ء اکتوبر کے مہینہ میں میں آگرہ پہنچا۔ سینٹ جانز اسکول کا نیا کرسچن ہاسٹل ابھی بنا ہی تھا۔ یہاں کی زندگی کلکتہ کے بورڈنگ ہاؤس سے کتنی مختلف تھی۔ یہاں کا پہناوا' بولی' کھانا اور طرز رہائش سبھی کچھ کلکتہ سے مختلف تھا۔ کلکتہ میں اچکن پائجامہ چھوڑ کر میں نے دھوتی اختیار کر لی تھی۔ یہاں دھوتی کرتے دیکھ کر لڑکوں نے ہر طرف سے قہقہہ لگانا شروع کیا۔ یہاں کا یونیفارم ہی علیحدہ تھا۔ سردی میں نیلا گرم کوٹ' سفید پتلون اور گلابی پگڑی تھی۔ کلکتہ میں انٹرینس کے قبل کے درجہ کو نواں درجہ کہتے تھے اور دسواں انٹرینس تھا۔ یہاں دسواں ابتدائی درجہ بچوں کا تھا۔ جب لڑکوں نے دریافت کیا کہ میں کس درجہ میں پڑھتا ہوں اور یہ سن کر کہ میں نویں درجہ میں ہوں تو میرے ڈیل ڈول کو دیکھ کر زور سے ہنس پڑے۔ مدرسہ بورڈنگ ہاؤس سے قریب میل بھر سے کچھ فاصلہ پر تھا تمام طلبہ اپنی وردی پہنے فوجی مارچ کرتے سکول جاتے اور آتے تھے گرجا بھی اسکول کے قریب ہی تھا اور اتوار کو مارچ کر کے بینڈ باجا جو طلباء سیکھتے تھے بجاتے ہوئے گرجا جاتے تھے۔ کلکتہ کے سی۔ ایم۔ ایس ہائی اسکول میں صرف مسیحی طلباء پڑھتے تھے۔ یہاں اگرچہ کرسچن ہاسٹل میں صرف مسیحی طلباء رہتے تھے مگر اسکول میں سینکڑوں کی تعداد میں غیر مسیحی طلباء تھے اور مسیحی طلباء شمار میں غیر مسیحیوں سے کہیں کم تھے۔ بورڈنگ ہاؤس کی زندگی بھی کلکتہ کے بورڈنگ ہاؤس سے بہت فرق تھی۔ کلکتہ میں بورڈنگ ہاؤس کی زندگی یہاں کے مقابلہ میں ایک خاندانی زندگی کی طرح تھی۔ یہاں کا دستور العمل اور ہی قسم کا

تھا ۔ علی الصبح گھنٹہ بجتا تھا اور لڑکے عبادت کے بعد ہال کمرے میں اور بڑے
لڑکے اپنے مطالعہ کے کمروں میں خلوتی دعا کے لئے بیٹھ جاتے اور نصف گھنٹہ یا
کچھ زائد عرصہ کے لئے مکمل خاموشی رہتی تھی ۔ کسی کو دوسرے کے کان میں
بھی کچھ کہنے کی اجازت نہ تھی ۔ مونیٹر خفیہ طور پر اس وقت پھرا کرتے تھے اور
اگر کسی کو بھی دعا سے غافل پاتے یا کوئی کسی کے کان میں بھی کچھ کہتے پکڑا جاتا
تو فوراً وارڈن صاحب کے سامنے حاضر کیا جاتا اور سزائے بید پاتا ۔ ایسی سخت
پابندی کے باوجود یہاں کے طلباء کی زندگی میں وہ مسیحی خوشی نہیں تھی جو سی ۔
ایم ۔ ایس ہائی سکول کے طلباء میں تھی ۔ مسیحی زندگی پابندیوں کے ذریعہ نہیں
پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی سختی کے ساتھ خارجی ذرائع سے دی جا سکتی ہے اور نہ
ہی قوانین کے ذریعہ اس کی صحیح تعمیل ہوتی ہے ' نہ یہ ایسی چیز کہ کسی پر عائد کی
جائے ۔ غرض یہ کہ مسیحی زندگی کے اس نمایاں فرق نے میرے دل پر ایسا اثر
ڈالا کہ خدا نے مجھ میں یہ خواہش پیدا کی کہ ان مسیحی طلباء کے اندر مذہبی شوق
اور بشارت کا جوش پیدا ہو جائے ۔ کرچن ہاسٹل کے وارڈن اس زمانہ میں مسٹر
شورن سنگھا تھے جو گزشتہ جنگ عظیم کے زمانہ سے انگلستان میں مقیم ہو گئے ہیں
اور جن کے برادر اصغر مسٹر ایس ۔ پی سنگھا پنجاب کی مسیحی جماعت کے لیڈر '
اسمبلی کے ممبر اور پنجاب یونیورسٹی کے رجسٹرار تھے مسٹر شورن سنگھا دیندار اور
خدا پرست تھے ۔ بچی مسیحی طبیعت آپ میں تھی ابھی مجھے آگرہ آئے چند ہی
دن ہوئے تھے کہ آپ کی نیک مسیحی زندگی کے باعث مجھے آپ سے دلی انسیت
پیدا ہو گئی ۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب کرچن ہاسٹل میں بطور ایک ہادی کے کنہن
دینا ناتھ گور صاحب کا بھی قیام تھا ' جن کی مسیحی طبیعت اور حقائق و معارف
سے بھرے ہوئے آپ کے کلام ' آپ کی مسحور کن زندگی ' غرض کہ آپ کی

رفاقت میں آپ کے قدموں کے پاس میں بیٹھ کر آپ سے گفتگو کرتا تو وہاں سے ہٹنے کو طبیعت نہیں کرتی تھی۔ آپ کے اندر مسیحی الفت و پیار خداوند نے کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ اس کے علاوہ صوبہ

یو۔ پی کے مشہور خدا پرست اور خدا کے جوشیلے خدمت گزار مسٹر جارج انگرم بھی ہاسٹل میں آتے تھے اور روحانی فیوض اور برکات اپنے ہمراہ لے کر آتے تھے اور اسٹاف و چند خاص طلباء کے ساتھ آپ دعا کیا کرتے تھے۔ گاہ بگاہ سادھو سندر سنگھ بھی اپنے تبلیغی دوروں کے بیچ میں یہاں آکر مقیم ہوتے تھے۔ یہیں سے آپ کی مشہور سوانح حیات "شیداء صلیب" لکھی گئی اور شائع ہوئی۔ ایسے مذہبی ہادیوں کی موجودگی اس کرچن ہاسٹل میں مسیحی زندگی کی نئی روح پھونکنے کا وسیلہ بن سکتی تھی۔ ایک روز میں نے اپنے دلی جذبات کا اظہار اپنے وارڈن مسٹر شورن سنگھا سے کر دیا اور ایک ایسی انجمن کے قیام کے لئے جس کا مقصد روحانی بیداری اور بشارتی خدمت ہو' احباب نے دعا کرنی شروع کر دی اور بڑی جماعت کے طلباء میں سے خاص خاص لڑکوں کو رفتہ رفتہ اپنا ہم خیال بنانا شروع کیا۔ یوں دائرہ ہاسٹل کے اسٹاف اور احباب سے نکل کر اب اس قدر وسیع ہو گیا تھا کہ طلباء کی خاصی تعداد اس میں شریک ہو گئی اور باقاعدہ دعا کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اب ہم مل کر خدا سے دعا کرنے لگے کہ ہم سب کو خدا انجیل کی خوش خبری سنانے کی توفیق اور موقع اپنے فضل سے عنایت کرے۔ مجھے ابھی ہاسٹل میں آئے تقریباً تین ہفتے ہی ہوئے تھے کہ بڑی جماعت کے کئی ایک طلباء منادی کے موقع کے لئے بیتاب ہو گئے۔ ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو کرچن ہاسٹل کی ٹیم میچ کھیلنے کے لئے متھرا جا رہی تھی۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم ٹیم کے ساتھ متھرا چلیں اور وہاں ہندوؤں کی مشہور تیرتھ گاہ میں جا کر منادی کریں

ہاسٹل کی یہ گاسپل ٹیم ہاکی ٹیم کے ساتھ متھرا پہنچی ۔ ہاکی کھیلنے والوں سے
رخصت ہو کر متھرا شہر میں بازار کے قریب کھڑے ہو کر ہم نے منادی کی ۔
لڑکوں کی جماعت دیکھ کر ہمارے چاروں طرف خاصی بھیڑ لگ گئی ۔ ہم نے باری
باری سے انجیل کا پیغام سنایا ' انجیل کے حصے فروخت کئے اور ٹریکٹ تقسیم کئے
ہم نہیں جانتے تھے کہ ہماری منادی سے سننے والوں کو کس قدر فائدہ پہنچا لیکن
ہمارے اپنے دلوں پر ضرور اس کا بڑا اثر ہوا ۔ سچ ہے کہ دینا لینے سے مبارک
ہے ۔ لوگوں تک خوش خبری کے پہنچانے کے باعث ہم اپنی زندگی میں ایک نئی
تازگی محسوس کر رہے تھے ۔ اس واقعہ کے دوسرے ہی دن یعنی ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۳ء
کو سینٹ جانز کرسچن یونین کی انجمن وارڈن صاحب کے کمرہ میں قائم ہوئی ۔
جن مسیحی طلباء نے انجمن کی شرکت منظور کی ' انہوں نے خاص کارڈ پر دستخط کیا
اور یہ عہد کیا کہ اپنی تعطیل کا کچھ حصہ بشارت کے لئے مخصوص کریں گے اور
روزانہ پاک کلام کی تلاوت اور دعا کیا کریں گے ۔ اس وقت سے قریب قریب
ہر اتوار کو طلباء کی جماعت شام کی عبادت کے بعد مختلف محلوں میں منادی کی
غرض سے جاتی تھی ۔ مسٹر سنگھا اور کھنن گور کے علاوہ مسٹر پریم چند لال جو
ہاسٹل میں قیام کرتے تھے اور اس کی تنظیم میں حصہ لیتے تھے ۔ انجمن کے بڑے
معاون اور مددگار ثابت ہوئے ۔ انجمن کی ایسے وقت میں جبکہ ہم ناتجربہ کار
لڑکے اس کے چلانے والے تھے مسٹر پریم چند نے خاصا حصہ لے کر ہم لوگوں کی
ہدایت اور رہنمائی کی ۔ آپ ہماری بشارتی مہم میں برابر شریک ہوتے رہے ۔
جب میں اپنے گزشتہ ایام کو جو کرسچن ہاسٹل میں بسر ہوئے یاد کرتا ہوں تو مسیحی
کلیسیا کی یہ بڑی ہستیاں میرے سامنے آجاتی ہیں ۔ مسیحی مذہب کی صداقت
کے اثبات میں ایک بڑا ثبوت مسیح کے سچے اور وفادار پیرو ہیں ۔ اگرچہ مسیحی

کلیسیا میں بحیثیت مجموعی کوتاہی اور نقائص اور عیوب نظر آتے ہیں تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انسانی فطرت بحیثیت مجموعی بگڑی ہوئی ہے اور خدا کے بندوں کی مسیح کے پاک نمونہ پر ڈھلی ہوئی زندگیاں جو دکھائی دیتی ہیں اس کا ثبوت ہے کہ خدا کا فضل یسوع مسیح کے وسیلہ کامیاب ثابت ہو رہا ہے۔

آگرہ میں نیا حلقہ احباب

آگرہ پہنچ کر جو سطحی تجربہ کرچن ہاسٹل کے اپنے ساتھیوں کا ہوا تھا اور جس کا ذکر میں کر چکا ہوں ' غلط ثابت ہوا۔ عموماً لوگ جب کسی نئی جگہ اجنبی لوگوں کے درمیان جاتے ہیں تو شکایت کرتے ہیں کہ لوگ ان سے اچھی طرح نہیں ملتے ہیں اور ان اجنبیوں کے درمیان بڑی تنہائی محسوس کرتے ہیں۔ رہ رہ کر ان کو اپنے پرانے احباب یاد آتے ہیں اور گھر کی یاد اور تنہائی انہیں ستاتی ہے۔ لیکن صحیح رفاقت کا راز اس میں نہیں دوسروں سے توقع کریں کہ وہ آکر ہم سے ملیں بلکہ رفاقت میں خود آگے بڑھنے اور لوگوں سے خود ملنے میں ہے۔ ایک لحاظ سے خداوند یسوع مسیح کے ان الفاظ کا مطلب یہی ہے کہ ابن آدم اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ اس لئے کہ خدمت کرے (متی ۲۸:۲۰)۔ کرچن ہاسٹل میں خدا نے مجھے ایسے احباب دیئے ' جن کی یاد ہمیشہ خدا کی شکرگزاری اور حمد کے ساتھ کرتا ہوں۔ مسیحی کلیسیا کے لئے بائبل میں کئی قسم کے استعارے استعمال کئے گئے ہیں مثلاً مسیح کا بدن ' مسیح کی دلہن مگر کلیسیا میں خدا سے محبت کرنے والوں کی ایسی جماعتیں بھی پائی جاتی ہیں جو خدا کے دوسرے بندوں اور بندیوں کے لئے اور بالخصوص جسمانی لحاظ سے اجنبی لوگوں

کے لئے ایسے خاندان ہیں کہ جن کا باپ خدا ہے اور ہر ایماندار بلا تفریق و امتیاز محض اپنی نئی پیدائش کے سبب سے ان کے شریک ہیں ۔ کلکتہ چھوڑ کر آگرہ آنا نہ صرف اپنے گھر اور والدین اور بھائیوں کی جدائی کا بار غم اٹھانا تھا بلکہ مدرسہ کے ان ساتھیوں سے بھی رخصت ہونا تھا جو قلیل عرصہ میں میرے بھائی بن گئے تھے ' جن میں بابو دانی ایل دینبدر ناتھ بسواس تھے ' جن کا اسلامی نام مسیحی ہونے سے قبل دیدار بخش تھا اور بابو منورنجن قاضی تھے جن کے والد کا نام قاضی آمین الدین میاں تھا اور جو اسلام ترک کرکے مشرف بہ مسیحیت ہوکر عرصہ تک مسیحی خدمت انجام دیتے رہے ۔ بابو منورنجن قاضی کے بڑے بھائی شانتی بھوشن قاضی سی ۔ ایم ۔ ایس ہائی اسکول میں استاد تھے اور بعد ازاں وہ بنگال کی میتھوڈسٹ کلیسیا میں پاسبانی خدمت پر مامور ہوئے ۔ منورنجن سے میری گہری دوستی تھی ۔ ہم دونوں میں ایسی الفت تھی کہ شاید ہی ایک دوسرے سے ہم جدا ہوئے ہوں ۔ منو رنجن گزشتہ جنگ عظیم کے وقت سے اب تک مسیحی خدمت تعلیمی سلسلہ میں کر رہے ہیں ۔ یہ موقع نہیں ہے کہ کلکتہ کی مسیحی جماعت کے اور احباب کا ذکر کروں ' مگر ان کو چھوڑ کر آگرہ آنا کوئی معمولی بات نہیں تھی ۔

آگرہ میں بہت جلد خدا نے نئے احباب کا ایک ایسا حلقہ پیدا کر دیا کہ جن کی الفت اور رفاقت نے پرانے احباب کے داغ جدائی کو بہت حد تک مٹا کر اپنی محبت کا نیا سکہ میرے دل میں جما دیا ۔ مسیحی دوستی خدا کی بہت بڑی نعمت ہے اور اس دوستی میں الہی حضوری اور خدا کی پاکیزگی ہوتی ہے ۔ وہ دنیاوی نہیں بلکہ آسمانی ہے ۔ جب کبھی اس پرانی رفاقت کو یاد کرتا ہوں تو مجھے آسمانی خاندان کا خیال آتا ہے کہ آسمان پر باپ کے ان مکانوں میں جب ہم

ہوں گے تو ہماری اس رفاقت کا یہ سلسلہ جو زمین پر خدا کی پاک حضوری میں شروع ہوا ہے وہاں بھی جاری رہے گا۔ ایک روز جب میں تنہا ہاسٹل کے ایک مسیحی دوست سے ٹھوکر کھانے کے باعث اداسی اور مایوسی کے عالم میں ٹہل رہا تھا تو ایک لڑکا قریباً میرا ہم عمر میرے پاس آیا اور گویا میرے دلی جذبات کو پڑھ کر رفاقت کا داہنا ہاتھ بڑھا کر مجھ سے ملا۔ وہ دن اور تاریخ تو یاد نہیں لیکن وہ جگہ اور اس وقت اس نوجوان کا ہمدرد چہرہ اب تک آنکھوں کے سامنے ہے یہ جی مس گوبند رام ہے۔ اس نے میرے دل کی تنہائی کو تاڑ کر اپنے دلی خیالات کا اظہار کیا۔ اس سے پہلے گو ہم ایک دوسرے سے واقف تو تھے مگر اس قسم کی گہری ملاقات کا یہ پہلا موقع تھا اس نے فوراً مجھے اپنا راز دار بنالیا اور اس وقت سے عرصہ تک ہم ایک دوسرے کی خوشی اور غم کی باتوں میں شریک رہے۔ آگرہ کے مسیحی قبرستان کا وہ کونہ بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے جہاں ہم ہاسٹل کے شور و غل سے بھاگ کر کئی مرتبہ انجیل پڑھنے اور تنہائی میں خدا سے دعا مانگنے جاتے۔ جیمس گوبند رام کی حقیقی جگہ کلیسیا کے اندر بحیثیت مبشر اور پاسبان کے تھی مگر خدا کی خدمت کو وہ دوسرے طریقہ سے بحیثیت مشن ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر اور مینیجر کے فرائض فرخ آباد میں انجام دیتے رہے۔

ایک اور دن کے واقعہ کی تصویر ذہن میں کھنچی ہوئی ہے۔ عجیب بات ہے کہ یہ واقعہ بھی ہاسٹل کے سامنے کے وسیع کھیلنے کے میدان میں وقوع میں آیا۔ کرسچن ہاسٹل کے لڑکے سامنے ہاکی کھیلنے میں مصروف ہیں۔ زندگی میں میں نے کبھی کھیل میں حصہ نہیں لیا نہ ہاکی اسٹک پکڑنی آئی اور نہ فٹ بال کو ٹھوکر مارنا سیکھا۔ ہاسٹل کے دستور سے مجبور کھیل کے میدان میں ایک کنارہ پر بیٹھا ہوا میں کھیل کو دیکھ تو رہا تھا لیکن نہ اسے سمجھ رہا تھا اور نہ کوئی دلچسپی لے رہا

تھا ۔ گھڑی گھڑی بیٹ کا بجنا اور کھیلنے والوں کا چہرہ بدل کر کبھی کسی طور سے اور کبھی کسی طور سے ایک گیند کو اسٹک سے مارنا اور دوسرے سے کھینچنے کی کوشش کرنا میرے لئے ایک معمہ تھا ۔ اسی اثنا میں سامنے سے ایک لڑکا آتا دکھائی دیا جو عمر میں مجھ سے کہیں کم تھا اس کے چہرہ پر مسکراہٹ تھی اور جب غور کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے چہرہ کی مسکراہٹ کبھی نہیں گئی گویا خدا نے اس کے ہونٹوں پر تبسم کی مہر لگا دی ہے ۔ وہ میرے قریب آکر بیٹھ گیا اس لڑکے سے پہلے میری سطحی ملاقات تھی، لیکن اس نے بے تکلف گفتگو کا سلسلہ چھیڑ دیا ۔ اس کی گفتگو سن کر میں حیران رہ گیا ۔ اس لڑکے کا مطالعہ کس قدر وسیع تھا ۔ کہنے کو تو یہ ابھی اسکول کی بڑی جماعتوں میں نہیں پڑھتا تھا، مگر مذہب سے اس کی کیسی واقفیت تھی ۔ اسلام پر کیسی کیسی کتابیں اس نے پڑھی تھیں اور کبھی کبھی گفتگو کا موضوع بدل کر انگریزی ادبیات کے افسانہ کا تذکرہ کرنے لگ جاتا ۔ پھر تو ہمارا یہ معمول بن گیا کہ شام کے وقت جب لڑکے کھیلتے ہوتے عموماً اس لڑکے کے ساتھ ہماری گفتگو رہتی ۔ انگریزی افسانہ مشہور جاسوس شارلک ہومز کی کہانیاں سب سے پہلے میں نے اسی سے سنیں ۔ ڈاکٹر عمادالدین کی تصنیفات کا تذکرہ سب سے پہلے اس نے مجھ سے کیا ۔ اس کا نام جیکب تھا لیکن گوبند رام کی طرح جیکب اس کا اپنا مخصی نام نہیں بلکہ خاندانی نام ہے ۔ یہ تبسم مجسم میرا عزیز بھائی ایڈون جیکب ہے ۔ یہی وہ ایڈون ہے جس نے جیمس کی طرح رفاقت کا ہاتھ خود پہلے بڑھایا اور کرسچن ہاسٹل کے کھیلنے کے میدان میں اس مسیحی محبت کی بنیاد ڈالی جو آج تک بغیر کسی کمی کے مسلسل جاری ہے ۔ زمانہ کے انقلاب ہمارے باہمی تعلقات میں کسی طور سے بھی رخنہ انداز نہ ہو سکے ۔ آگرہ کے مسیحی حلقہ احباب میں ایڈون جیکب نے خدا کی

آواز سنی اور مقدس پولس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آج وہ کہہ سکتے ہیں کہ میں آسمانی رویا کا نافرمان نہ ہوا (اعمال ۲۶ : ۱۹) اور اپنی زندگی کو کلیسیائی خدمت کے لئے مخصوص کردیا ۔ ایڈون کے والدین نسلاً سادات تھے اور بہت تکلیف اٹھا کر مسیحی ہوئے تھے ۔ مسلمان ایڈون کو اب سید نہ مانیں مگر خدا نے اپنی کلیسیا کا اسے ستون اور سید یعنی سردار مقرر کیا ہے جو جسمانی امارت سے کہیں افضل نعمت ہے ۔ غرض یہ کہ خدا کے خاندان میں جیمس ' ایڈون اور جان کو آسمانی باپ نے عجیب طور پر ایک دوسرے کو اپنے پاک روح کے بند اور الٰہی رفاقت کی ڈوری سے باندھ دیا تھا ۔

کھیلنے کے موقع پر جب ایڈون جیکب کی اور ہماری گفتگو رہتی تو ایک اور لڑکا جو طبیعت کا سنجیدہ تھا کبھی کبھی ہماری گفتگو میں شریک ہو جاتا تھا ۔ جسمانی اعتبار سے یہ کمزور تھا مگر ذہنی اور روحانی لحاظ سے طاقتور اور دلیر تھا۔ یہ ہمارا عزیز دوست سیموایل بخش تھا۔ مسیحی طبیعت کا سچا نمونہ تھا۔ اسے سائنس سے بڑی دلچسپی تھی اور کبھی کبھی سائنس کے ایسے پیچیدہ مسائل میرے سامنے پیش کرتا کہ میری عقل کام نہ کرتی ۔ بعض اوقات ایسے مسائل چھیڑ دیتا کہ جس پر گھنٹوں بحث رہتی۔ کھیل کا وقت ختم ہو جاتا تو مجبوراً بحث ملتوی رکھنی پڑتی۔ سیموایل مولا بخش پر تپ دق کے مرض نے حملہ کیا اور بھوالی بھیجا گیا۔ میں بھی اپنی جسمانی صحت کے اعتبار سے ان دنوں کمزور نظر آتا تھا اس لئے سیموایل کے ساتھ مجھے بھی پہاڑ پر تندرستی کے خیال سے روانہ کر دیا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے پہاڑ دیکھا۔ سیموایل اور میں عرصہ تک پہاڑ پر رہے۔ سیموایل پہاڑ کی بلندی سے بھی اوپر گذر کر آسمانی فضا کی سیر کیا کرتا تھا۔ میرے اس مسیحی بھائی کو بستر پر سے اٹھنے کی ممانعت تھی' مگر اس کی روح بستر پر پڑے پڑے

آسمانی مقام کی سیر کیا کرتی تھی۔ اس تمام اثنا میں جب کہ یہ میرا عزیز رفیق ہسپتال میں رہا' ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے چہرہ پر اداسی نہیں دیکھی۔ میں آج بھی ہسپتال کے کمرہ میں جہاں وہ اور میں ساتھ رہتے تھے اس کو گاتا اور مسکراتا دیکھتا ہوں۔ وہ زمین پر اپنے زندگی کے آخری دنوں میں آسمانی دریچہ کو گویا کھلا ہوا دیکھتا تھا۔ ہمارے مسیحی حلقہ احباب میں وہ میرا پہلا عزیز دوست اور شفیق بھائی ہے جو اپنے آسمانی مکان پر قبضہ کرنے کے لئے چلا گیا۔ ایک روز اسی راگ اور تپاک کے ساتھ وہ میرا خیر مقدم کرے گا جب میں بھی آسمانی گروہ میں شامل ہونے کے لئے بلایا جاؤں گا۔ سیموایل اور جان کی پھر ملاقات ہو گی اور تب اپنے بحثی مسائل کا جن پر باہم بحث کیا کرتے تھے میں بھی حل پالوں گا' جس طرح سیموایل نے پالیا۔

غرضیکہ یہ میرا حلقہ احباب تھا جس کے دیگر افراد کے تذکرہ کا یہ مختصر رسالہ متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس حلقہ میں میری روحانی زندگی نے نشوونما پائی۔ ان مسیحی احباب نے اپنی مسیحی زندگی' نیک طبیعت اور سچی رفاقت کے وسیلہ سے مجھے ہر مشکل موقع پر سنبھالا' آزمائش کی راہ سے روکا' وقتوں میں مددگار ثابت ہوئے اور سب سے بڑھ کر مجھے اپنے منجی کے قدموں کے پاس رہنے میں مدد کی اور ان کی نیک زندگی کے نمونہ نے مجھے کبھی یہ موقع نہیں دیا کہ میں کلیسیا کی خامیوں اور نقائص پر نظر ڈالتا۔

طالب علمی کے زمانہ میں استادوں کا اثر زندگی پر بہت گہرا پڑتا ہے۔ استاد کا کام تعلیمی سلسلہ میں نہ صرف مختلف اقسام کی معلومات اپنے شاگردوں کو بہم پہنچانا ہے بلکہ بنتی ہوئی زندگی کی ساخت میں حصہ لیتا ہے۔ استاد جس طرح اپنے ذہنی خیالات کا اثر طلباء پر ڈالتا ہے' اسی طرح اس کا اخلاقی اثر بھی ان کی

زندگی پر پڑتا ہے۔ تعلیمی محکمہ میں نہ صرف ذہنی قابلیت تعلیم دینے کی سند ہے بلکہ استاد کی اخلاقی زندگی بھی اس قابلیت کا بڑا حصہ ہے۔ مسیحی مدرسوں میں استاد کی اخلاقی زندگی بڑی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ میں جب اپنے مسیحی استادوں کا تصور کرتا ہوں تو میرا دل ان کی عزت سے بھر جاتا ہے۔ سینٹ جانز اسکول کے مینیجر پادری این۔ ایچ۔ ٹبز صاحب تھے۔ طلباء کی دیکھ بھال آپ اس طرح کرتے تھے گویا آپ کے جسم کے ہر حصہ میں پھرتی اور چستی فطرت نے کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ ہائی اسکول سے لے کر مدرسہ کی مختلف شاخوں میں آپ پھرا کرتے تھے۔ ایسا معلوم پڑتا تھا کہ گویا بجلی کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ آپ کی آمدورفت رہتی ہے۔ ہاسٹل میں رات کو آپ قریب قریب ہر طالب علم کے پاس آتے تھے۔ سوتے وقت آپ لڑکوں کی خواب گاہ کا چکر لگاتے تھے۔ آپ کے وسیلہ میں نے انگریزی کی عمدہ کتابیں پڑھنا سیکھیں۔ طلباء کی نہ صرف ذہنی بلکہ جسمانی اور روحانی ترقی کا خیال آپ کو رہتا تھا۔ حقیقی معنوں میں آپ اپنے طلباء کے دوست تھے۔ آپ نے کئی طلباء ان کی جسمانی صحت کی بہبودی کے لئے پہاڑ بھیجے اور وہاں عرصہ تک ان کو رکھا۔

ان مذکورہ بالا احباب کے اسمائے گرامی جن پر میں اور بھی ناموں کا اضافہ کر سکتا ہوں محض ناموں کے گنانے کی خاطر نہیں بلکہ مسیحی مذہب کے اس پہلو کو دکھانے کے لئے جسے کلیسیا کہتے ہیں' لکھے گئے ہیں۔ مسیحی مذہب کلیسیائی یا ایسا جماعتی مذہب ہے جس کا مرکز مسیح ہے مگر جس کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ دنیا کی حد کو توڑ کر آسمان تک پھیلا ہوا ہے۔ مسیحی عقیدہ جہاں یہ سکھاتا ہے کہ "میں ایمان رکھتا ہوں ایک خدائے قادر مطلق باپ پر" وہاں یہ بھی کہنے کی تعلیم دیتا ہے کہ "میں ایمان رکھتا ہوں کلیسیائے عام پر اور

مقدسوں کی شراکت پر"۔ اس میں شک نہیں کہ خداوند یسوع مسیح نے نجات کے معاملہ میں شخصی زندگی پر زور دیا ہے لیکن نجات یافتہ زندگی کی ترقی کا مدار جماعتی ماحول اور باہمی رفاقت پر رکھا ہے۔ آپ نے مقدسوں کی ایک جماعت قائم کی جو کلیسیا کہلاتی ہے اور جس کے شریک مقدس ہونے کے لئے بلائے گئے ہیں

(ا۔ کرنتھیوں ۱ : ۲ ' رومیوں ۱ : ۷) اور جس کے لئے خداوند نے فرمایا کہ عالم ارواح کے دروازے اس پر غالب نہ آئیں گے (متی ۱۶ : ۱۸) ۔ ابتدائی کلیسیا میں ہر شخص جو خداوند یسوع مسیح پر ایمان لاتا تھا نئی انسانیت کی اس برادری میں شریک ہو جاتا تھا جس کے شرکاء پاک کلام میں " مقدسوں کے ہم وطن اور خدا کے گھرانے " کے کہلاتے ہیں اور جس میں " ہر ایک عمارت مل ملا کر خداوند میں ایک پاک مقدس بنتا جاتا ہے " (افسیوں ۲ : ۲۰ ' ۲۱) ۔ یہ ایسی برادری ہے جس کی شراکت سے موت بھی جدا نہیں کر سکتی۔ اسی لئے پاک کلام میں اسے آسمان اور زمین کا خاندان کہا گیا ہے (افسیوں ۳ : ۱۵) ۔ یہ مسیحی خاندان ' مختلف قوموں ' نسلوں ' انسان کے مختلف طبقوں ' مختلف رنگوں اور دنیا کے ہر کونے کے لوگوں سے جو مقدس ہونے کے لئے بلائے گئے ہیں ' مل کر بنتی ہے اور یہ وہ جماعت ہے جس میں جتنوں نے مسیح میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا تو مسیح کو پہن لیا۔ " نہ کوئی یہودی رہا نہ یونانی ' نہ کوئی غلام نہ آزاد ' نہ کوئی مرد نہ عورت ' کیونکہ تم سب مسیح یسوع میں ایک ہو " (گلتیوں ۳ : ۲۷ ' ۲۸) ۔ میری زندگی کا تجربہ بتاتا ہے کہ کلیسیائی رفاقت سے علیحدہ روحانی زندگی ترقی نہیں کر سکتی۔ روحانی زندگی کی ساخت اور اس کی ترقی کلیسیا کے اندر ہے۔

مسیحی ہونے کا مطلب

مسیحی مذہب کی قبولیت کے مفہوم کو سمجھنے میں لوگ اکثر غلطی کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عموماً انہوں نے مذہب کا مفہوم غلط سمجھ رکھا ہے۔ عام طور پر لوگوں کے خیال میں مذہب کا تعلق صرف ذہنی باتوں سے ہے اس لئے ایک مذہب ترک کرکے دوسرا مذہب اختیار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دو مذاہب کی تعلیمات میں موازنہ اور مقابلہ کیا جائے اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جائے۔ مگر مسیحی مذہب کی حیثیت دیگر مذاہب سے جداگانہ ہے۔ مسیحی مذہب میں تعلیمات تو ہیں اور ان کا سیکھنا مسیحی ہونے کے لئے ضروری ہے مگر ان کا تعلق انسانی زندگی کی بڑی حقیقتوں سے ہے اس لئے ہر تعلیم کا ایک عملی پہلو بھی ہے۔

مسیحیت کی ایک بڑی تعلیم یہ بھی ہے کہ انسان کا خدا کو تلاش کرنا مقدم نہیں ہے بلکہ خدا گمراہ انسان کی تلاش کرتا اور اس کی واپسی کا انتظار کرتا ہے۔ " محبت اس میں نہیں کہ ہم نے خدا سے محبت کی بلکہ اس میں ہے کہ اس نے ہم سے محبت کی اور ہمارے گناہوں کے کفارہ کے لئے اپنے بیٹے کو بھیجا " (۱۔ یوحنا ۴ : ۱۰) ۔ اس لئے جب انسان کے دل میں خدا کی محبت اور اس کے دیدار کی آرزو پیدا ہوتی ہے تو درحقیقت اس کے یہ دلی جذبات خدا کی محبت اور پکار کی صدائے بازگشت ہے۔ انسان کا خدا کے پاس آنا انسانی مساعی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ خدا کا کھوئے ہوئے اور گمراہ انسان کو پالینا ہے۔ یہ انسان کی اپنی دریافت نہیں بلکہ خدا کے فضل کا کرشمہ ہے۔ اسی باعث ہم خدا کی پہچان حاصل کرلینے کے بعد فخر نہیں کرتے بلکہ شکر کرتے ہیں۔ ہم اپنی لیاقت کا اظہار

نہیں کرتے بلکہ خدا کے فضل کی گواہی دیتے ہیں۔

زندگی کی اہم حقیقتوں کے سلسلہ میں ایک حقیقت گناہ ہے۔ کسی نہ کسی صورت میں انسان کے تجربہ میں یہ حقیقت آتی ہے مگر ساتھ ہی انسان کے اندر یہ وجدانی علم موجود ہے کہ خدا کو گناہ سے نفرت ہے۔ مسیحی مذہب بتاتا ہے کہ گناہ کے باعث انسان خدا سے دور ہے۔ انسان اپنی زندگی کے شروع ہی سے ایسی طبیعت لے کر پیدا ہوتا ہے کہ جس کا میلان برائی کی طرف ہے۔ کوئی انسان اب تک ایسا نہیں پیدا ہوا جس کا طبعی اور فطری میلان گناہ کی طرف نہ ہو۔ اپنے اپنے مذہب کی تعلیم کے لحاظ سے کسی کا عقیدہ انسانی فطرت کے متعلق خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو مگر انسانی فطرت کے بگاڑ کا عالمگیر طور پر پایا جانا ایک حقیقت ہے۔ انسان اپنی اس بگڑی ہوئی فطرت کے باعث اپنی کوشش سے خود خدا کی طرف لوٹ نہیں سکتا مگر خدا انسان کو اپنا فضل بخشتا ہے' جس کے باعث اس کے اندر خدا کی قربت اور اس کی خوشنودی کی تمنا پیدا ہوتی ہے اور اس تمنا کے وسیلہ اس کا خدا کے پاس واپس آنا ممکن ہو جاتا ہے۔ ہمارے خداوند یسوع مسیح نے انسان کے لئے خدا کی اس تلاش کا ذکر چند تمثیلوں کے ذریعہ مختلف پیرائے میں کیا ہے۔ آپ نے اس کی تمثیل ایسے چرواہے سے دی جس کے پاس سو بھیڑیں ہوں۔ ان میں سے ایک کھو جائے تو یہ چرواہا ان ننانوے کو چھوڑ کر اس کھوئی ہوئی بھیڑ کو جب تک مل نہ جائے' ڈھونڈھتا رہتا ہے۔ یہی بات اس عورت کی تمثیل میں بھی پائی جاتی ہے' جس کے پاس دس درہم ہوں اور ایک کھو جائے اور جب تک مل نہ جائے کوشش سے ڈھونڈتی رہتی ہے۔ اور پھر مسرف بیٹے کی تمثیل کے ذریعہ سے یہی حقیقت سمجھائی گئی ہے کہ کس طرح مسرف بیٹا اپنے حصے کا مال لے کر دور دراز ملک کو چلا جاتا

ہے، جہاں سارا مال بد چلنی میں اڑا کر پیٹ پالنے کے لئے سور چرانے پر مجبور ہوتا ہے۔ آخرکار جب ہوش میں آکر باپ کے پاس واپس آتا ہے تو باپ خوشی سے اسے قبول کرتا ہے۔ یہی حال خدا کا ہے جو گنہگار کی تلاش میں لگا رہتا ہے۔ جب وہ مل جاتا ہے تو خوش ہوتا اور کہتا ہے کہ یہ میرا بیٹا مردہ تھا۔ اب زندہ ہوا، کھو گیا اب ملا ہے (دیکھئے لوقا باب ۱۵)۔

گناہ کے باعث ہمارا خدا سے دور پڑ جانا تو ہمارے اپنے تجربہ کی بات ہے لیکن خدا کا ہماری تلاش میں لگا رہنا انسانی علم کی پہنچ سے باہر ہے۔ یہ علم خدا کے مکاشفہ کا محتاج ہے۔ جب تک انسان کو کسی آسمانی پیغام کے ذریعہ نہ بتایا جائے انسان جان نہیں سکتا کہ خدا کا اس کی ساتھ کیا سلوک اور کون سا رشتہ ہے۔ ان آسمانی پیغامات میں جو ہمارے خداوند یسوع مسیح نے انسان کو پہنچائے یہی ایک بڑا پیغام ہے۔ مسیحی مذہب کی یہی بڑی خوشخبری ہے اور اسی کا نام انجیل ہے۔ جب انجیل کا مطالعہ میں نے پہلی مرتبہ کیا تو یہی الٰہی مکاشفہ تھا جو مجھے خداوند یسوع مسیح کی زندگی میں دکھائی دیا۔ ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے (لوقا ۱۹ : ۱۰) ۔ خدا کے متعلق اس کی یہ تعلیم ہے کہ وہ آسمانی باپ ہے اور لوگوں کو یہ فضل بخشا گیا ہے کہ مسیح پر ایمان لا کر نئی پیدائش کے وسیلہ خدا کے فرزند بن جانے کا حق اور اختیار حاصل کریں "جتنوں نے اسے قبول کیا اس نے انہیں خدا کے فرزند بننے کا حق بخشا یعنی انہیں جو اس کے نام پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ خون سے نہ جسم کی خواہش سے نہ انسان کے ارادہ سے بلکہ خدا سے پیدا ہوئے" (یوحنا ۱ : ۱۲، ۱۳) ۔ یہ میرے لئے خدا اور انسان کے درمیان ایک نئے رشتہ کا اظہار تھا۔ انسان کو نیک بننے کی محض یہ ہدایت نہیں تھی بلکہ ایسے الٰہی فضل کی بخشش کا اظہار تھا

جس سے انسان نہ صرف نیک بنتا ہے بلکہ خدا کا فرزند بن جاتا ہے۔ خداوند یسوع مسیح کو قبول کرکے جب اس ایمان پر کہ مسیح خدا کا بیٹا اور میرا منجی ہے میں نے بپتسمہ لیا تو خدا کے پاک روح نے میری روح کے ساتھ مل کر گواہی دی کہ نئی پیدائش کے وسیلہ جو خدا نے مجھے عطا کی میں اب خدا کا فرزند ہوں۔ اب مجھ میں غلامی کی روح نہیں تھی جس سے ڈر پیدا ہو اور جس کے باعث پیشتر میں مذہبی احکام کی تعمیل صرف خدا کے خوف اور ایسی طبیعت کے ساتھ کرتا تھا کہ اس کے رحم و فضل پر پورا یقین رکھنا ممکن نہ تھا۔ کیونکہ قادر مطلق خدا کی مرضی کو کون جان سکتا ہے اس لئے یہ جاننا کہ اس نے اپنے رحم و کرم سے میری عبادتیں اور روزے قبول کئے ہیں یا نہیں بحیثیت اس کے ادنیٰ غلام کے میں کیونکر معلوم کر سکتا تھا۔ لیکن اس نئی پیدائش کے تجربہ نے اب یہ یقین میرے دل میں پیدا کر دیا کہ میں اس کا فرزند ہوں اور پاک کلام میرے اس تجربہ پر شاہد تھا۔ "کیونکہ تم کو غلامی کی روح نہیں ملی جس سے پھر ڈر پیدا ہو بلکہ لے پالک ہونے کی روح ملی جس سے ہم ابا یعنی اے باپ کہہ کر پکارتے ہیں۔ روح خود ہماری روح کے ساتھ مل کر گواہی دیتا ہے کہ ہم خدا کے فرزند ہیں۔ اگر فرزند ہیں تو وارث بھی ہیں یعنی خدا کے وارث اور مسیح کے ہم میراث بشرطیکہ ہم اس کے ساتھ دکھ اٹھائیں تا کہ اس کی ساتھ جلال بھی پائیں" (رومیوں ۸ : ۱۵ - ۱۷)۔

زندگی کا باطنی تجربہ بتا رہا تھا کہ سچائی کا روح خدا کی سچی معرفت حاصل کرنے میں خداوند یسوع مسیح کے وعدے کے مطابق میری ہدایت کر رہا ہے۔ زندگی کی اس منزل پر مقدس پولس کے ساتھ میں ہم آواز یہ کہہ رہا تھا کہ "میں اپنے خداوند یسوع مسیح کی پہچان کی بڑی خوبی کے سبب سے سب چیزوں کو

نقصان سمجھتا ہوں' اور ان کو کوڑا سمجھتا ہوں تا کہ مسیح کو حاصل کروں "
(فلپیوں ۳ : ۸) ۔ لیکن مقدس پولس کا یہ فقرہ کہ مسیح کی " خاطر میں نے سب
چیزوں کا نقصان اٹھایا" میرے تجربہ سے باہر رہا۔ خدا میری کمزور طبیعت اور
قوت برداشت سے واقف تھا۔ اس لئے مسیح کی خاطر دکھ اٹھانے اور نقصان سہنے
کی فضیلت سے میں محروم رکھا گیا۔ اگرچہ میں اپنے آبائی مذہب کو اب ترک کر
چکا تھا تو بھی میرے والدین اور میرے بھائی مجھ سے اسی طرح محبت رکھتے تھے
جس طرح اسلام ترک کرنے سے قبل۔ میرے مسیحی ہونے کے باعث انہیں
افسوس تو ہوا لیکن ان کی محبت میں کسی طرح کی کمی نہیں آئی اور اگر مسلمان
ہمسائے مجبور نہ کرتے تو مجھے والدین کو چھوڑ کر جلاوطنی اختیار کرنے کی کوئی
ضرورت نہ تھی۔ پڑوس کے کٹر مسلمان اس بات کو معیوب سمجھتے تھے کہ ایک
مسیحی مسلمان خاندان میں رہے اور پھر اس خاندان کا تعلق دوسرے خاندانوں
کے ساتھ بھی قائم رہے۔ اس وجہ سے مجھے گھر چھوڑ کر علیحدہ رہنا پڑا لیکن
واقعی خدا کی بخشش اور فضل کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ مسیحی جماعت میرے
لئے بالکل اجنبی جماعت تھی لیکن خدا نے میرے لئے اس جماعت میں ایسے
ہمدرد اصحاب پیدا کر دیئے جن میں برادرانہ الفت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔
غرض یہ کہ خدا اپنی بخشش اور فضل کی نشانیاں ظاہری اور باطنی دونوں طور سے
مجھ اپنے کمترین بندے کو بخشتا رہا۔ اگر خدا ایک طرف روحانی تجربہ کی دولت
سے مالا مال کرتا رہا تو دوسری طرف اس نے جسمانی نعمتوں سے بھی مجھے محروم
نہ رکھا' جس سے ظاہر تھا کہ جس طرح ایک کمزور بچہ اپنی کمزوری کے باعث
اپنے والدین کا خاص طور پر مورد توجہ ہوتا ہے میں بھی اپنی روحانی اور جسمانی
کمزوری کے اعتبار سے خدا کی خاص عنایت اور فضل کا مورد ہو رہا تھا۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا نے میری زندگی میں کبھی غم' مایوسی اور دکھ کو آنے کا موقع نہیں دیا اور کہ خدا کا فضل میری اس طرح سے حفاظت کرتا رہا کہ کبھی گناہ نے مجھے اس کی پاک رفاقت سے جدا کیا ہی نہیں۔ مجھے زندگی کے سفر میں بار ہا روحانی اعتبار سے تنگ و تاریک وادیوں سے گذرنا پڑا۔ بارہا جسمانی اعتبار سے تنہائی' مایوسی اور غم والم کی گھڑیوں کا تجربہ بھی زندگی میں آیا۔ اکثر دکھ جھیلنے اور مصیبت سہنے کا بھی اتفاق ہوا اور میں ناامیدیوں سے دوچار ہوا۔ آزمائشوں سے لڑا لیکن سوائے گناہ کے کوئی چیز بھی خدا کے اس اطمینان اور سکون کو جو دل میں تھا ہٹا نہ سکی - یہ خدا کا وہ اطمینان تھا جو ہماری سمجھ سے بار تھا۔ "تم مجھ میں اطمینان پاؤ۔ دنیا میں مصیبت اٹھاتے ہو لیکن خاطر جمع رکھو میں دنیا پر غالب آیا ہوں" (یوحنا ۱۶ : ۳۳) ۔

ایک موقع پر میرے ایک مسلم عزیز نے یہ ثابت کرنے کی کوشش میں کہ میں مسیحیت قبول کرکے اپنی پرانی روحانی قوت کو کھو بیٹھا ہوں' فرمایا کہ تم جب مسلمان تھے تو کیسے کیسے نقش اور تعویز لکھا کرتے تھے اور ان کا کیسا اثر ہوتا تھا مگر اب یہ قوت تم سے سلب ہو گئی ہے - میں نے جواب میں کہا کہ مجھے اب نقش و تعویز کی ضرورت نہیں' کیونکہ جس خدا پر اب میرا ایمان ہے وہ اس کا محتاج نہیں کہ میں طلسم اور سحر کے ذریعہ اپنی یا دوسروں کی ضروریات پورا کرانے کے لئے اسے مجبور کروں۔ میرا خدا میرا آسمانی باپ ہے اور ساری کائنات اسی کی ہے۔ میرے پتا کا یہ سنسار ہے۔ میں اس کا فرزند ہونے کے باعث جب چاہوں اس کے پاس جا سکتا ہوں اور جو چاہوں مانگ سکتا ہوں "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر باپ سے کچھ مانگو گے تو وہ میرے نام سے تم کو دے گا" (یوحنا ۱۶ : ۲۳) ۔ "سب چیزیں تمہاری ہیں۔ خواہ زندگی' خواہ موت'

خواہ حال کی چیزیں، خواہ استقبال کی سب تمہاری اور تم مسیح کے ہو اور مسیح خدا کا ہے" (۱۔ کرنتھیوں ۳: ۲۲، ۲۳)۔ "خواہ موت کے سایہ کی وادی میں سے میرا گذر ہو میں کسی بلا سے نہیں ڈروں گا کیونکہ تو میرے ساتھ ہے" (زبور ۲۳: ۴)۔

مسیحی زندگی اور گناہ پر فتح کا بھید

اس نئے روحانی تجربہ کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اب مجھ میں گناہ کرنے کی
استعداد ہی نہیں رہی تھی۔ خدا نے میرے کل قوائے جسمانی اور ذہنی برقرار
رکھے اور ان کے استعمال کرنے کے لئے مجھے وہی پوری آزادی بخشی جو اوروں
کو حاصل ہے۔ اس نئے روحانی تجربہ سے میری آزاد مرضی اور قوائے جسمانی
کے استعمال میں کوئی فرق نہیں آیا۔ دوسرے الفاظ میں خدا نے میری آزاد
مرضی اور اس کے استعمال کی قوت کو سلب کرکے مجھے محض ایک ایسی مشین
نہیں بنا دیا کہ جس کی کل اس کے ہاتھ میں ہو کہ اسے جدھر چاہے اور جس
طرح چاہے چلائے' بلکہ اس کے برعکس حقیقت تو یہ ہے کہ زندگی کی بڑی بڑی
آزمائشوں سے اسی زمانہ میں دوچار ہونا پڑا' جب میں نے مسیح کو قبول کیا تھا۔
بپتسمہ کے بعد میں اب اپنی عمر کے اعتبار سے زندگی کی ان منازل کو طے کر رہا
تھا جہاں قوائے جسمانی کی ترقی کے ساتھ ساتھ اخلاقی دنیا کا دائرہ بھی وسیع ہوتا
جاتا ہے اور اخلاقی کشمکش بھی بڑھتی جاتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اکثر
نوجوان اپنی پہلی سادگی اور معصومیت سے نکل کر وارد ہوتے ہیں تو کہاں سے
کہاں بھٹک کر نکل جاتے ہیں۔ عالم حسیات کی گرفت مجھ پر سخت ہو چکی تھی
لیکن خدا نے میری اپنی مرضی کے آزادانہ استعمال میں مداخلت نہیں کی' یعنی
آزمائش کے وقت مجھے پوری آزادی تھی کہ یا تو میں آزمائش کو "نہیں" کہہ
کر ٹھکرا دوں اور اس پر غالب آؤں یا "ہاں" کہہ کر مغلوب ہو جاؤں اور گناہ
میں گروں۔ خدا نے مجھے ایسا نہیں بنا دیا تھا کہ میں آزمائش میں گر ہی نہیں

سکتا تھا ۔ مجھے اکثر خیال آتا تھا کہ جب گناہ ایسی نفرت انگیز شے ہے اور خدا
اپنے بندہ کا گناہ میں گرنا پسند ہی نہیں کرتا تو کیوں وہ اپنے بندہ کے اندر ایسی
قوت پیدا نہیں کر دیتا کہ اگر وہ چاہے بھی تو گناہ نہ کر سکے بلکہ گناہ کا اختیار کرنا
اس کے اختیار ہی سے باہر ہو جائے۔ لیکن اگر خدا میرے حق میں ایسا کرتا تو
میں جو اب خداوند یسوع مسیح پر ایمان لا کر اس کا فرزند ہوں انسانیت کے طبقہ
سے گر کر محض ایک مشین ہوتا جس میں مرضی کا امکان ہی نہیں ہے ۔ اس
صورت میں میری خوبیاں خوبیاں نہ ہوتیں کیونکہ میرے اعمال محض آلاتی ہوتے
جن کے کرنے پر میں مجبور ہوتا۔ جس طرح درخت سایہ دینے پر اور چکی آٹا
پینے پر مجبور ہے لیکن خدا نے مجھے بجائے ایک مشین بنا ڈالنے کے ایک اور بہتر
طریقہ اختیار کیا کہ آزمائش کے موقعوں پر اس کا مقابلہ کرنے کے لئے خاص
فضل بخشتا ہے جس کے وسیلے سے اگر چاہوں تو آزمائش پر غالب آسکوں۔ لیکن
اس کا یہ فضل میری آزاد مرضی کے استعمال میں کسی طرح سے رکاوٹ کا باعث
نہیں ہے۔ آزمائش کے موقع پر اگر میں چاہتا تو خدا کے اس فضل کو رد کر دیتا
اور خدا اپنے اس فضل کو چھین لیتا اور اس سے محروم ہو کر میں گناہ میں پڑ
جاتا۔ اس حالت میں گناہ سے روکنے والے فضل کے لے جانے کا مطلب یہ
نہیں ہوتا ہے کہ خدا نے مجھے گناہ میں گرنے کے سبب سے ہمیشہ کے لئے رد کر
دیا ہے بلکہ وہ ایک دوسرا فضل عطا کرتا ہے یعنی توبہ کا فضل۔ سچی توبہ کی توفیق
خدا ہی سے ملتی ہے۔ "اگر اپنے گناہوں کا اقرار کریں تو وہ ہمارے گناہوں کے
معاف کرنے اور ہمیں ساری ناراستی سے پاک کرنے میں سچا اور عادل ہے "
(۱ ۔ یوحنا ۱: ۹)

میرے اس بیان مذکورہ سے کہ گناہ میں گرنے کے موقع پر خدا گنہگار کو توبہ کی

توفیق اور فضل دیتا ہے کوئی یہ مطلب نہ نکالے کہ اس لئے انسان جب چاہے گناہ کرتا رہے کیونکہ خدا گنہگار کو چھوڑ نہیں دیتا بلکہ توبہ کا فضل بخشتا رہتا ہے، ہرگز نہیں۔ مسیحی نجات سے مراد محض گناہ کی معافی نہیں ہے بلکہ معافی نجات یافتہ زندگی کا شروع ہے۔ گناہ کی معافی جو خداوند یسوع مسیح کی صلیبی موت کے وسیلہ انسان کو ملتی ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان گناہ کرتا رہے اور خداوند یسوع مسیح کی صلیبی موت کے وسیلہ معافی حاصل کرتا جائے۔ انسان کی زندگی میں جب گناہ کی معافی کا تجربہ آجاتا ہے تو اس وقت سے خدا کے پاک روح کی قوت میں وہ نئی زندگی بسر کرنے لگتا ہے اور یوں گناہ کی معافی کا تجربہ نجات یافتہ زندگی کا آغاز ہے۔ پاک کلام کہتا ہے "جو کوئی خدا سے پیدا ہوا ہے وہ گناہ نہیں کرتا، بلکہ وہ گناہ کر ہی نہیں سکتا کیونکہ خدا سے پیدا ہوا ہے" (۱۔ یوحنا ۳:۹)۔ نجات کے تجربہ کے بعد جو بار بار گناہ کی طرف راغب ہوتے، ایسوں کے متعلق خدا کے پاک کلام میں لکھا ہے۔ "کہ ان پر یہ سچی مثل صادق آتی ہے کہ کتا اپنی قے کی طرف رجوع کرتا ہے اور نہلائی ہوئی سورنی دلدل میں لوٹنے کی طرف" (۲۔ پطرس ۲:۲۲)۔

گناہ کی ماہیت کی پہچان مجھے خداوند یسوع مسیح کے وسیلہ سے حاصل ہوئی۔ مسیحیت سے قبل گناہ کا مفہوم حرام و حلال اور جائز و ناجائز تک محدود تھا۔ گناہ محض خارجی فعل یا محض گندہ خیال تھا جس کا تعلق میری زندگی سے عارضی تھا۔ یہ ایک قانونی یا شرعی چیز تھی اور اس کا معاف کرنا یا نہ کرنا خدا کی مرضی پر منحصر تھا۔ بدی کا بد ہونا خدا کے قانون پر منحصر تھا۔ اس کی ماہیت کا روح سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ اس کی سزا جہنم تھی اور اسی سزا سے رہائی پانے کا نام نجات تھا۔ مسیحی مذہب نے میرے اس نظریہ کو بدل دیا۔ میں نے

مسیحیت میں سیکھا کہ بدی اپنی ماہیت ہی میں بد ہے۔ گناہ کی برائی محض قانونی نہیں بلکہ اخلاقی ہے اور گناہ کی سزا کا تعلق گناہ کے ساتھ محض ایک خارجی رشتہ نہیں ہے کہ گنہگار کو خدا گناہ کی سزا میں جہنم کے اندر عذاب دے گا' بلکہ گناہ اور اس کے بد نتائج جسے سزا کہتے ہیں لازم و ملزوم ہیں۔ جس طرح آگ میں ہاتھ ڈالنا ہاتھ کا جلنا ہے اسی طرح گناہ کرنا ابدی موت سے مرنا ہے۔ "گناہ کی مزدوری موت ہے" (رومیوں ۶ : ۲۳) ۔ مگر اس مزدوری کا ملنا یا نہ ملنا خدا کی مرضی پر منحصر نہیں ہے بلکہ جو جان گناہ کرتی ہے ضرور مرے گی۔ گناہ کا خاص نتیجہ خدا سے جدائی' روح کی موت اور زندگی میں جو کچھ نیک اور پاک ہے اس کی ہلاکت اور بربادی ہے۔ گناہ کی حقیقی ماہیت کو میں نے گتسمنی کے باغ میں خداوند یسوع مسیح کی جان کنی کی حالت اور آپ کی صلیبی موت میں پہچانا۔ مجھے گناہ کی حقیقی پہچان اس وقت حاصل ہوئی' جب خدا نے اپنے بیٹے کے خون کے وسیلہ میرے گناہ معاف کر دیئے اور گناہ کی معافی کا تجربہ بخشا۔ اس سے قبل گناہ خدا کے خلاف بغاوت اور کفر تھا لیکن اس کی ماہیت کی پہچان خدا کے اس فضل کے وسیلہ سے حاصل ہوئی جو توبہ کا فضل ہے اور جو مسیح یسوع کے خون کے وسیلہ خدا سے گناہ کی معافی دلاتا ہے۔

گناہ کی اس حقیقی پہچان کے بعد خدا نے اپنے اس فضل کا تجربہ دیا جو روز بروز گناہ کی طاقت سے روکتا اور بچاتا ہے۔ یہی وہ فضل ہے جو خداوند یسوع مسیح اپنے لوگوں کو دیتے ہیں اور جس کے باعث آپ کا نام فرشتہ کے قول کے مطابق یسوع رکھا گیا کہ جس کی تشریح کرتے ہوئے فرشتہ نے کہا تھا کہ "تو اس کا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا" (متی ۱ : ۲۱) ۔ گناہ کی ماہیت کی پہچان کے بعد پاک کلام کے اس ذیل

کے بیان کی سمجھ آتی ہے اور ہم جاننے لگتے ہیں کہ نجات یافتہ زندگی میں گناہ
کیوں نہایت ہولناک چیز ہے۔ "جن لوگوں کے دل ایک بار روشن ہو گئے اور وہ
آسمانی بخشش کا مزہ چکھ چکے اور روح القدس میں شریک ہو گئے اور خدا کے عمدہ
کلام اور آئندہ جہاں کی قوتوں کا ذائقہ لے چکے، اگر وہ برگشتہ ہو جائیں تو
انہیں توبہ کے ..... لئے پھر نیا بنانا ناممکن ہے۔ اس لئے کہ وہ خدا کے بیٹے کو
اپنی طرف سے دوبارہ مصلوب کر کے علانیہ ذلیل کرتے ہیں۔" اور پھر یہ کہ
"حق کی پہچان حاصل کرنے کے بعد اگر ہم جان بوجھ کر گناہ کریں تو گناہوں کی
کوئی اور قربانی باقی نہیں رہی۔ ہاں عدالت کا ایک ہولناک انتظار اور غضب
ناک آتش باقی ہے جو مخالفوں کو کھا لے گی۔ جب موسیٰ کی شریعت کا نہ ماننے
والا دو یا تین شخصوں کی گواہی سے بغیر رحم کئے مارا جاتا ہے تو خیال کرو کہ وہ
شخص کس قدر زیادہ سزا کے لائق ٹھہرے گا جس نے خدا کے بیٹے کو پامال کیا
اور عہد کے خون کو جس سے وہ پاک ہوا تھا، ناپاک جانا اور فضل کے روح کو
بے عزت کیا۔" (عبرانیوں ۶: ۴ - ۲ اور ۱۰: ۲۶ - ۲۹)

☆ .... ☆ .... ☆

کالج کی زندگی اور چند بشارتی تجربات

سینٹ جانز کرسچن ہاسٹل سے برسوں تک کسی مسیحی لڑکے نے انٹرنس کے امتحان میں کامیابی حاصل نہیں کی تھی ۔ یہ عجیب روایتی دستور عرصہ سے چلا آرہا تھا اور کافی عرصہ کے بعد دو مسیحی طلباء بیسل ایڈگربوس اور جان عبدالسبحان نے اس برے دستور کو توڑا ۔ اس کامیابی پر ہاسٹل کے مسیحی طلباء کی خوشی کا اس سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ امتحان کا نتیجہ نکلنے کے بعد تعطیل ختم ہونے پر جب ہم آگرہ واپس آئے تو ہاسٹل کے مسیحی طلباء بڑی تعداد میں ریلوے اسٹیشن پر ہمارے استقبال کے لئے موجود تھے اور پھولوں کا ہار پہنا کر ہاسٹل میں لائے ۔ بیسل بوس اور میں گویا ہاسٹل کی طرف سے بڑی مہم سر کر کے آئے تھے ۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اس کے بعد سے مسیحی طلباء اس ہاسٹل سے مسلسل انٹرنس کے امتحان میں کامیابی حاصل کرنے لگے ۔

انٹرنس کے امتحان کے بعد میرا اپنا ارادہ مسیحی خدمت کی تربیت حاصل کر کے اسی خدمت میں لگ جانے کا تھا ۔ میرے دل میں انجیل کی منادی کا اشتیاق تھا اور میں چاہتا تھا کہ تعلیمی سلسلہ چھوڑ کر مسیح کا خادم بن کر بشارت کی خدمت انجام دوں مگر بشپ ٹبز اور کینن اے ۔ ڈبلیو ۔ ڈیوس پرنسپل سینٹ جانز کالج آگرہ نے کالج میں داخل ہونے کے لئے دوستانہ صلاح دی اور ان کی صلاح پر عمل کرتے ہوئے میں کالج میں داخل ہوگیا ۔ اس میں شک نہیں کہ ان کی یہ صلاح زندگی میں آگے چل کر مفید ثابت ہوئی ۔ کالج کا داخلہ ایک نئی اور زیادہ وسیع زندگی کا میرے لئے آغاز تھا ۔ میرے حلقہ احباب میں

نہ صرف مسیحی بلکہ غیر مسیحی بھی تھے۔ مجھے یہ یاد کر کے نہایت مسرت ہوتی ہے کہ کالج کے غیر مسیحی طلباء نے اور بالخصوص مسلمان طلباء نے میرے ساتھ دوستانہ سلوک روا رکھا۔ میرے ہندو احباب کے لئے میرے ساتھ دوستی اور برادرانہ برتاؤ رکھنا کوئی بڑی بات نہیں تھی مگر مسلمان طلباء کے لئے جن کے مذہب کے اعتبار سے میں مرتد تھا اور ارتداد اسلام کی نگاہ میں نہایت ہی مکروہ عمل ہے، میرے ساتھ خلوص دلی اور سچی الفت سے پیش آنا اور بلا کسی امتیاز کے میرے ساتھ محبتانہ سلوک کرنا واقعی ان کا قابل تحسین فعل تھا۔ کالج کے دوسرے سال چند اور مسیحی طلباء سینٹ جانز کرچن ہاسٹل میں آئے اور میرا حلقۂ احباب نہ صرف وسیع بلکہ ایک خاندانی دائرہ کی صورت اختیار کرنے لگا۔ عزیز دوست جیسے گوبند رام اور پوتھی لال ساؤ کالج میں اسکول سے آئے۔ پوتھی لال ساؤ نے کالج میں مسیحی خدمت کی عجیب طبیعت دکھائی۔ جنگ عظیم کے بعد جب انفلوئنزا مہلک صورت میں ہر طرف پھیلا تھا اور لوگ روز موت کا شکار ہو رہے تھے تو تعلیمی درس گاہیں اسکول اور کالج بند کر دیئے گئے تھے۔ تمام طلباء اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے مگر پوتھی اور میں ہاسٹل ہی میں ٹھہرے رہے۔ اس موقع پر پوتھی لال نے اسکول کے ان چند مسیحی طلباء کی جن کی حالت نازک ہو رہی تھی اور ہسپتال میں رکھے گئے تھے سخت خدمت کی۔ کئی دن متواتر رات کو یہ نوجوان مطلق نہیں سویا اور نہ دن کو اس نے آرام کیا۔ ایسے موقع پر کس طرح اس کا جسم انفلوئنزا کے بیماروں میں ایسی محنت کا متحمل ہوا اور بیماری سے بچا رہا، مجھے آج بھی سوچ کر تعجب ہوتا ہے۔

ان دنوں پروفیسر آر۔ سی داس جو بعد ازاں بنارس میں مسیحی خدمت پر معمور رہے اور ہندوؤں میں مسیحی مذہب کی تبلیغ کے سلسلہ میں نمایاں کام

کرتے رہے کالج کے سٹاف میں تھے ۔ آپ کالج کی کرسچن یونین کے صدر تھے اور میں اس یونین کا سیکرٹری تھا ۔ پروفیسر داس کی سرگرمی سے یونین کی مسیحی خدمات میں ایک نئی روح پھونکی گئی ۔ مسیحی طلباء نے اپنے وقت کا کچھ حصہ کسی نہ کسی صورت سے مسیحی خدمت میں صرف کرنا شروع کیا ۔ دعائیہ جتھے قائم کئے گئے اور بائبل اسٹڈی کے لئے مجالس قائم ہوئیں اور خدمت کے ایسے منصوبے نکالے گئے جن میں غیر مسیحی طلباء بھی حصہ لے سکتے تھے مثلاً شہر کے غریب طبقے کے لوگوں میں عورتوں کو کپڑے سلائی کے لئے دینا اور پھر یہ کپڑے سستے داموں غریبوں میں بیچنا اور اس کی آمدنی سے کنگال لوگوں میں اناج تقسیم کرنا یہ ایسی خدمت تھی جس میں ہر شخص بلا امتیاز مذہب حصہ لے سکتا تھا ۔

کالج کی طالب علمی کے زمانہ میں مسیحی مذہب کو مسلمانوں کے سامنے پیش کرنے کا ایک نیا تصور میرے ذہن میں آیا ۔ اب تک جو کتابیں مسیحیوں نے مسلمانوں کے لئے لکھی تھیں ان میں زیادہ تر دو مذاہب کا مقابلہ کیا گیا تھا اور اس طور سے مسیحیت کی فضیلت اسلام پر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی مسیحیت اور اسلام کے موضوع پر اس طرز کی کتابیں لکھنے کی وسیع گنجائش ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں مذاہب کی مذہبی اصطلاحیں بڑی حد تک مشترک ہیں اور اس لئے ان میں موازنہ و مقابلہ کی بڑی گنجائش ہے ۔ مگر میرے خیال میں یہ اشتراک محض سطحی ہیں ۔ سرسری مطالعہ سے تو واقعی اسلام اور مسیحیت میں بہتیری باتیں مشترک معلوم دیتی ہیں مگر گہرا مطالعہ ان کے تخالف اور تضاد کو ظاہر کرتا ہے اور دونوں مذاہب میں خاص کوئی ایسا اتحاد یا ایسی مشابہت نہیں پائی جاتی جس کے باعث ان دونوں کا اس صورت سے مقابلہ یا موازنہ کیا جائے جیسا سابق سے دستور چلا آ رہا ہے ۔ دونوں مذاہب کا زاویہ

تگاہ جداگانہ ہے مثلاً الفاظ خدا اور پھر خدا کا وجود اور اس کی وحدانیت اور قدوسیت اور رحم وغیرہ ۔ اسی طرح گناہ ' توبہ ' سزا و جزا ' جنت و دوزخ ' قیامت وغیرہ یہ ایسی اصطلاحیں ہیں جو دونوں مذاہب میں مروج ہیں مگر ان کے تصور میں آسمان اور زمین کا فرق ہے ۔ اسلام میں خدا کا تصور سورۂ اخلاص یا آیتہ الکرسی اور قرآن شریف کی دیگر عبارتوں میں اور علم الکلام کی تعریف میں پایا جاتا ہے اور ہر صورت سے زور خدا کی شان اور اس کی قدرت کاملہ اور مرضی پر ہے ۔ لیکن مسیحیت میں خدا کی اخلاقی صفات اور بالخصوص محبت پر زور دیا گیا ہے ۔ خدا کی تعریف مسیحیت میں ان جملوں سے کی گئی ہے کہ خدا محبت ہے ۔ خدا نور ہے ۔ خدا روح ہے ۔ ایک طرف اسلام میں خدا کا جبروتی تصور ہے کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے ' دوسری طرف مسیحیت میں خدا کا وہ تصور ہے جس کی ذات اخلاقی ہے اور جو محبت ہونے کے سبب بنی آدم کی خاطر دکھ سہتا ہے ۔ انسان کی گمراہی کے باعث اپنے آپ کو محدود کرتا ہے اور ابن اللہ انسان کو گناہ سے نجات دینے کے لئے صلیبی موت گوارا کرتا ' دفن ہوتا اور زندہ ہوتا ہے ۔ ایک طرف نجات کا تصور محض گناہ کی سزا اور دوزخ کے عذاب سے بچنا ہے اور دوسری طرف نجات نئی طبیعت اور نئی زندگی کا نام ہے ۔ ایک طرف گناہ محض چند کام ہیں جن کا برا ہونا خدا نے اپنی مرضی کے مطابق ٹھہرا دیا ہے ۔ دوسری طرف گناہ بذات خود برے ہیں اور چونکہ وہ برے ہیں اور انسان کی زندگی اور روح کی ہلاکت کا باعث ہیں ' اس لئے خدا نے ان کے کرنے سے منع کیا ہے ۔

غرض یہ کہ میرے خیال میں دونوں مذاہب میں کتنی ہی باتیں گو مشترک کیوں نہ پائی جائیں مگر ان کے تصورات میں بعد المشرقین ہے لہذا دونوں

مذاہب کا مقابلہ اس طرح کرنا کہ ایک کی تعلیم دوسری سے افضل ثابت کرنے کی کوشش کی جائے' صحیح طریقہ نہیں ہے۔ اسلام اگر اپنی جگہ پر جیسا مسلمان اسے مانتے اور ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں' واقعی ویسا ہی ہے تو بھی مسیحیت کے اصول اور تعلیم پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مثلاً توحید و تثلیث کی بحث میں اب تک بعض مسیحیوں نے مسلمانوں کے تصور خدا کو ایک حد تک صحیح تسلیم کرتے ہوئے تثلیث کی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر اصل بحث توحید و تثلیث کی نہیں بلکہ خدا کے تصور کی ہے۔ کیونکہ عدد کے لحاظ سے نہ تو خدا واحد ہے اور نہ ہی تین۔ اس لئے وحدانیت اور تثلیث کے مسئلہ کا مدار خدا کے تصور پر ہے اور ان معنی میں تثلیث توحید کی ضد میں ثابت ہوتی بلکہ توحید کی تفسیر ہے۔ سب سے پہلی بات جو اس سلسلہ میں قابل غور ہے' وہ یہ ہے کہ خدا روح ہے اور اس لئے کل الفاظ جن کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر کیا جائے گا' روحانی معنوں میں ہوں گے اور یہ عام قاعدہ ہے کہ ایک لفظ کا جو مفہوم عالم جسمانیات میں ہوتا ہے جب اس کا استعمال عالم روحانیات میں کیا جاتا ہے تو مفہوم بدل جاتا ہے۔ مثلاً لفظ قوت جب ہم ایک بہادر سپاہی کے لئے استعمال کرتے ہیں تو اس کا مفہوم قتل و غارت ہے مگر جب اسی لفظ کا استعمال ماں کی طبیعت کی اس کیفیت کے لئے استعمال کرتے ہیں جو اس کے بیٹے کے برے برتاؤ اور بد چلنی کے باعث اس کے صبر اور برداشت میں ظاہر ہوتی ہے تو ہم اسے قوت برداشت کہتے ہیں یا جب ہم اس کا مشاہدہ ایک ایسے پہلوان میں دیکھتے ہیں جسے لوگ مار رہے ہوں اور وہ مار کھا کر بجائے پلٹ کر بدلہ لینے کے اپنے مارنے والوں کے لئے دعائے خیر کرتا ہے تو ہم بھی یہاں اس کی جسمانی قوت کے مقابلہ میں روحانی قوت کو قوت برداشت کی

صورت میں دیکھتے ہیں ۔ اسی امتیاز کو مد نظر نہ رکھنے کے باعث مسلمان مسیح کو خدا کا بیٹا کہنا کفر قرار دیتے ہیں ' لیکن جب خدا روح ہے تو بیٹے کی حیثیت بھی روحانی ہی ہو سکتی ہے ۔ علیٰ ہذا القیاس یہی بات توحید و تثلیث کے مسئلہ میں پائی جاتی ہے ۔

اسلام اور مسیحیت کی اس امتیازی حیثیت کے نقطہ نگاہ سے میں نے ان دونوں مذاہب کے سلسلہ میں ایک کتاب دو حصوں میں تیار کی ۔ پہلا حصہ صداقت اسلام کے نام سے میرے طالب علمی کے زمانہ میں چھپ کر شائع ہوا جس میں میں نے آنحضرتؐ پر سے ان اعتراضات کے رفع کرنے کی کوشش کی ہے جو عموماً غیر مسلم آپ پر کرتے ہیں ۔ مسلمانوں میں یہ کتاب بڑی مقبول ہوئی اور اسلامی رسائل نے اپنی تنقید و تبصرہ میں اس کی بڑی تعریف کی ۔ اس کا دوسرا حصہ جس میں مسیحیت کی تفسیر تھی چھپنے میں نہیں آیا ۔ جن دنوں میں اس کے شائع کرنے کی فکر میں تھا ' ایک ہندوستانی مسیحی پنجاب سے سیر کرتے ہوئے آئے اور آپ نے ظاہر کیا کہ ایسے رسالے اور کتابیں شائع کرنے کی کوشش میں ہیں جو بالخصوص مسلمانوں کے واسطے لکھی گئی ہیں اور عاریتاً میرا مسودہ لیتے گئے اور پھر نہ وہ مسودہ واپس ملا اور نہ آپ کا نیاز حاصل ہوا ۔

انہی دنوں میں مسیحی بشارت کا ایک عملی تجربہ بھی میں نے کیا جو مذکورہ بالا ادبی طریقہ سے زیادہ بہتر اور مفید ثابت ہوا ۔ انٹرمیڈیٹ کے امتحان کے بعد گرمی کی تعطیل ذرا لمبی ہوتی ہے ۔ پہلے تو امتحان کے نتیجہ کی اور پھر کالج کھلنے کا انتظار کرنا پڑتا ہے ۔ انٹرمیڈیٹ کا امتحان ختم ہوتے ہی آگرہ سے کلکتہ ہوتا ہوا میں نمیا ضلع کے گاؤں چپڑا گیا جہاں بکن بو تھم صاحب اس گاؤں کے مشن اسکول کے مینجر تھے ۔ یہاں پہنچ کر میں نے سادھوانہ لباس اختیار کیا ۔ ننگے سر

اور ننگے پیر جھولی لٹکا کر ندیا ضلع کے دیہاتوں میں منادی کرنے کو نکل پڑا ۔

میرے ساتھ ایک کم عمر نو مسیحی تھے جو اسی اسکول میں طالب علم تھے اور مسلمان سے مسیحی ہوئے تھے ۔ ان کا مسیحی نام استیفن شیخ تھا ۔ استیفن شیخ عرصہ ہوا اسکول پاس کرنے سے قبل ہی اپنے منجی کے پاس چلا گیا ۔ مسیحی بشارت کے سلسلہ میں اس کمسن مسیحی سے بہتیری امیدیں وابستہ تھیں ۔ جب کبھی استیفن شیخ کی مسیحی زندگی اور خداوند کے لئے اس کی غیرت اور اس کا جوش یاد کرتا ہوں تو خداوند کے یہ الفاظ یاد آتے ہیں " اے باپ آسمان اور زمین کے خداوند میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے یہ باتیں داناؤں اور عقلمندوں سے چھپائیں اور بچوں پر ظاہر کیں ۔ ہاں اے باپ کیونکہ ایسا ہی تجھ کو پسند آیا " (متی ۱۱: ۲۵، ۲۶) ۔ میرے اس ساد ھوانہ سفر میں استیفن شیخ نے یوحنا مرقس کا کام کیا ۔ میرے واسطے کھانا پکانا، ٹھہرنے کی جگہ کا انتظام کرنا اور ضرورت کی کل چیزیں مہیا کرتا تھا ۔ مئی کا مہینہ تھا ۔ گرمی کے باعث میرے پیر میں آبلے پڑ گئے ۔ تب استیفن کی صلاح سے ہم نے دن کو سفر کرنا چھوڑ دیا رات کے پچھلے پہر اٹھ کر ہم سفر کرتے اور دس بجے دن تک جہاں پہنچتے وہاں قیام کرتے ۔ استیفن کھانے پینے کی چیزوں کے مہیا کرنے اور پکانے میں مصروف ہوتا ۔ میں آتے جاتے راہگیروں اور کھیت پر کام کرنے والے کسانوں میں انجیل کی بشارت سناتا تھا ۔ بعض مقامات پر کھلے میدانوں میں اور کہیں کسی کے مکان کے باہر برآمدے میں ہم رات کاٹتے تھے ۔ قریب پندرہ دن کے بعد ستر میل کا سفر کر کے ہم واپس چپڑا آئے ۔ کالج کے طالب علمی کے دنوں میں یہ پندرہ دن بہترین دن تھے اور جن مختلف دیہاتوں کا ہم نے دورہ کیا تھا، ان میں سے مسلمانوں کے ایک گاؤں کے مشرف بہ مسیحیت ہونے کی خبر کچھ عرصہ بعد

مجھے ملی۔

مسیح مصلوب کی رویا

مسیحی مذہب کی جس بات نے میرے دل پر گہرا اور دائمی اثر کیا وہ ہمارے خداوند یسوع مسیح کا واقعہ صلیب ہے۔ اسلام مسیح کی صلیبی موت کا منکر ہے۔ بحیثیت مسلمان ہونے کے میں نے کس طرح اس سچائی کو قبول کیا' اس کا ذکر میں پیشتر کر چکا ہوں۔ مگر خداوند یسوع مسیح پر ایمان لانے کے وقت سے لے کر ہمیشہ مسیح کی صلیبی موت میرے لئے روحانی تجربہ اور معراج کی سیڑھی ثابت ہوتی آئی ہے۔ صلیب میرے لئے مفتاح الہیات ہے اور اس مسیحی ایمان کی بنیاد ایک ایسے واقعہ پر ہے جس کی تائید انجیل سے پوری پوری ہوتی ہے۔ نئے عہدنامہ میں صرف تین مختصر خطوط کے علاوہ یعنی فلیمون اور یوحنا کے دوسرے اور تیسرے خطوط کو چھوڑ کر کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس میں خداوند یسوع مسیح کی صلیبی موت کا تذکرہ کسی نہ کسی پیرائے میں نہ آیا ہو فلیمون کے نام مقدس پولس کے خط کا موضوع بالخصوص انسمس ایک بھاگا ہوا غلام ہے اور ایک لحاظ سے غلاموں کی آزادی اور انسانی مساوات کی یہ بہت بڑی دستاویز ہے۔ اس میں صرف پچیس آئتیں ہیں اور یوحنا کے گو دوسرے اور تیسرے خطوں میں مسیح کی صلیبی موت کا ذکر نہیں ہے مگر مقدس یوحنا کی انجیل اور اس کا مکاشفہ اور اس کا پہلا خط مسیح کی صلیبی موت کے بیان اور اشارات سے بھرے پڑے ہیں۔ مقدس یوحنا کے دوسرے اور تیسرے خطوط کی آیات کا مجموعی شمار صرف ۲۷ ہے۔ مقدس متی کے دو پورے ابواب خداوند

کی صلیبی موت کے بیان سے بھرے ہیں ۔ مقدس مرقس کی انجیل میں بھی دو ابواب اسی تذکرہ سے بھرے ہیں ۔ اسی طرح مقدس لوقا نے اپنی انجیل میں دو ابواب اس موضوع پر لکھے ہیں اور مقدس یوحنا کی انجیل کا نصف سے زیادہ حصہ اسی غمناک بیان سے تعلق رکھتا ہے ۔ نئے عہدنامہ کی باقی کتابوں کا مرکز مسیح کی صلیبی موت اور آپ کا دوبارہ جی اٹھنا ہے ۔ ان مسیحی کتب مقدسہ کی شہادت کے علاوہ زبردست تاریخی شہادتیں بھی اس بڑے واقعہ کی تائید میں موجود ہیں مثلاً رومی مورخ پلینی ۔ تسیتس ۔ لوشین ۔ یوسیفس سلسیس ' یہ سب کے سب تاریخی حیثیت سے مسیح کی صلیبی موت کی گواہی دیتے ہیں اور بعض مسیحی رسوم بالخصوص پاک عشا جو ابتدائے مسیحیت سے مسیحی کلیسیا میں رائج ہے اور پھر مسیحی اور غیر مسیحی تواتر سے خداوند یسوع مسیح کی صلیبی موت پر شاہد ہیں ۔ خداوند مسیح کی صلیبی موت کا انکار کرنا تاریخ کے ایک بین واقعہ کا انکار ہے ۔

غرضیکہ اس واقعہ کی تاریخی اہمیت کے علاوہ اس کی روحانی اہمیت بھی ہمارے خیال اور قیاس سے کہیں زیادہ ہے ۔ " وہ (مسیح) آپ ہمارے گناہوں کو اپنے بدن پر لئے ہوئے صلیب پر چڑھ گیا تاکہ ہم گناہوں کے اعتبار سے مر کر راستبازی کے اعتبار سے جئیں اور اسی کے مار کھانے سے تم نے شفا پائی" (۱ ۔ پطرس ۲ : ۲۴) ۔ خداوند یسوع مسیح کی صلیبی موت گنہگار سے گنہگار کی زندگی بدلنے اور کایا پلٹ کرنے میں زبردست طاقت ثابت ہوئی ہے ۔ لاکھوں گواہ پردۂ دنیا پر موجود ہیں جو اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ ان کی زندگی کا وہ نیا دن جس دن سے گناہ اور بدی پر انہوں نے غلبہ پانا شروع کیا ' وہ دن تھا جب خداوند یسوع مسیح کی صلیب کے پاس وہ آئے کیونکہ صلیب ہی وہ مقام ہے

جہاں اپنے گھٹنے ٹیک کر ہم اپنے منجی کو مخاطب کر کے کہہ سکتے ہیں :-

اے خداوند ! اپنے اس مبارک سر کی خاطر جو کانٹوں کے تاج سے لہولہان کیا گیا ' میرے کل گناہ جو میرے قوائے ذہنی کے وسیلہ سرزد ہوئے ' معاف فرما۔

اے خداوند ! اپنے اس پاک دل کی خاطر جو بھالے سے چھیدا گیا میرے تمام گناہ جو خواہشات نفسانی کی صورت میں مجھ سے سرزد ہوئے معاف فرما۔

اے خداوند ! اپنے مبارک ہاتھوں کی خاطر جو صلیب پر کیلوں سے جڑے گئے ' میرے کل گناہ جنہیں اپنے ہاتھوں سے میں نے کیا معاف فرما۔

اے خداوند ! اپنے مبارک پاؤں کی خاطر جو کیلوں سے چھیدے گئے اور صلیب پر ٹھونکے گئے ' میرے کل گناہ جو پاؤں سے سرزد ہوئے معاف فرما

ہاں اے خداوند ! گتسمنی کے باغ میں اپنے اس خون کی خاطر جو پسینہ کی طرح بہا ' اپنی سخت جان کنی کی خاطر ' اپنے زخمی سر کی خاطر ' آنسوؤں سے تر اپنی آنکھوں کی خاطر ' اپنے روئے اقدس کی خاطر جس پر تھوکا گیا ' اپنے مبارک رخساروں کی خاطر جن پر طمانچے لگائے گئے ' اپنی اس پیٹھ کی خاطر جو کوڑوں کی مار سے زخمی کی گئی ' اپنے زخمی ہاتھ اور پاؤں کی خاطر ' اپنے چھدے ہوئے پہلو کی خاطر ' اپنے زخمی بدن کی خاطر ' اپنی بھوک اور پیاس کی خاطر مجھے معاف کر۔

جن دنوں میں سینٹ جانز کالج میں انٹرمیڈیٹ کی پڑھائی میں مصروف تھا ' مجھے سیالکوٹ کی کنونشن میں جانے کا موقع ملا ' جہاں مسیح مصلوب کا ایک عجیب

تجربہ زندگی میں آیا ۔ پادری این ۔ ایچ ٹبز صاحب مینجر سینٹ جانز ہائی سکول نے اپنے مسیحی طلباء کی ایک جماعت سیالکوٹ کے اس مسیحی جلسہ میں شریک ہونے کی غرض سے بھیجی اور مجھے بھی اس میں شامل کر لیا ۔ مسیحیوں کے ایسے بڑے روحانی جلسہ میں شریک ہونے کا یہ میرا پہلا موقع تھا ۔ ہزاروں کی تعداد میں مسیحی پنجاب کے مختلف علاقوں سے آکر جمع تھے ۔ مسیحیوں کا یہ کثیر التعداد مجمع صبح سے رات تک دعا کرتا اور عبادت کے مختلف مواقع پر بشپ بی ۔ ٹی بیڈلی صاحب اور پادری بی ۔ بی ۔ رائے اور سادھو سندر سنگھ جیسے روحانی واعظین کے دروس نے ایک عجیب فضا پیدا کر رکھی تھی ۔ ان سب باتوں سے میرے دل کی عجیب کیفیت تھی ۔ کل مقام خدا کے پاک روح کی قوت سے اس طرح بھرا تھا جس طرح بجلی کی لہر دوڑتی ہوئی اپنی قوت سے ہر جگہ کو بھر دیتی ہے ۔ واعظین کے علاوہ کئی ایک خدا کے خاص روحانی بندوں سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ۔ لاہور کے پادری ایلیجاہ ڈانی ایل محمد شفیع صاحب کے استاد سائیں ڈانی ایل سے میری ملاقات یہیں ہوئی ۔ قرآن کے حافظ میں نے بہت دیکھے تھے لیکن بائبل کا حافظ آپ کو پایا ۔ آپ مسیحی ہونے سے پہلے مسلمان تھے اور اسلام پر آپ کو بہت بڑا عبور حاصل تھا اور عربی ' عبرانی اور یونانی سے بخوبی واقف تھے ۔ گفتگو کے دوران میں بائبل کی عبارت کا اقتباس برجستہ اور برمحل حفظ پیش کرتے تھے ۔ آپ اپنی ظاہری وضع میں یوحنا بپتسمہ دینے والے یا ایلیاہ نبی معلوم پڑتے تھے ۔

ایک روز شام کی عبادت کے دوران بشپ بی ۔ ٹی ۔ بیڈلی صاحب نے اپنی خوبصورت ہندوستانی زبان میں اپنے وعظ کے خاتمہ کے قریب اپنے سامعین کے سامنے مسیح مصلوب کو پیش کیا ۔ آپ نے خداوند یسوع مسیح کے چھدے

ہوئے ہاتھ اور پیر لوگوں کے سامنے رکھے اور مسیح کے چھدے ہوئے ہاتھوں کی برکت کے ساتھ لوگوں کو رخصت کیا۔ مجھے آج نہ آپ کا اس وقت کا وعظ یاد ہے اور نہ ہی وعظ کی آیت ۔ لیکن وعظ کے خاتمہ پر مسیح مصلوب کا وہ نظارہ اس وقت سے لے کر آج تک آنکھوں کے سامنے پھر رہا ہے ۔ ستائیس برس کے دوران میں اس وقت سے لے کر آج تک مسیح مصلوب میری آنکھوں سے کبھی اوجھل نہیں ہوا ۔ اس وقت وہ شامیانہ جس کے نیچے ہم بیٹھے تھے ، حاضرین اور شامیانہ کے نیچے عین وہ جگہ جہاں اس موقع پر میں بیٹھا تھا ' یہ ساری باتیں اس وقت بھی میرے ذہن نشین ہیں ۔ وعظ اور مسیح مصلوب کے وہ زخمی ہاتھ جنہیں پلیٹ فارم کے سامنے اٹھا کر آپ نے لوگوں کو اس شام کے وقت برکت دی ' اب تک میرے سامنے ہے ۔

صوبہ پنجاب زندگی میں پہلی مرتبہ میں نے دیکھا سیالکوٹ سے واپسی پر ہم لاہور دو دن کے لئے ٹھہرے اور مسیحی احاطہ مہان سنگھ باغ میں قیام کیا ۔ اس واقعہ کے برسوں بعد اسی مہان سنگھ باغ میں سکونت کے لئے ۱۹۳۰ء میں پھر آنا ہوا یعنی جب ہنری مارٹین مدرسہ اسلامیات کا صدر مقام لاہور قرار پایا اور لاہور سے امرتسر اور دہلی ہوتے ہوئے ہم واپس آگرہ پہنچے ۔

کالج کی مصروفیت کے دوران میں بھی مسیح مصلوب کا وہ نظارہ جو میں سیالکوٹ سے لے کر آیا تھا میری آنکھوں میں پھرتا ہی رہا اور اس وقت سے خداوند یسوع مسیح کی اور گہری رفاقت کی بھوک اور پیاس مجھے بیتاب کرنے لگی کالج کا چھوٹا سا خوبصورت چھوٹا عبادت خانہ میں ہے ۔ یہ میری پناہ گاہ بن گئی ۔ اپنے دوستوں سے آنکھ بچا کر جب موقع ملتا اس عبادت گاہ میں تنہا جا کر خداوند کی حضوری محسوس کرنے کی کوشش کرتا ۔ الطار پر کی صلیب مجھے پیاری معلوم

دینے لگی اور دعا اور روزہ میں وقت صرف کرنے لگا۔ خداوند کی حضوری اور اس کے زخموں پر دھیان کرنا میرا معمول بن گیا - یہ حال کچھ عرصہ تک جاری رہا حتیٰ کہ ایف - اے پاس کر کے میں بی - اے میں پڑھتا تھا اور خداوند یسوع مسیح کے ساتھ رفاقت اور اس کی حضوری کے احساس کا یہ اشتیاق اور بھی بڑھتا گیا - شہر آگرہ سے قریب پانچ میل کے فاصلہ پر مقام سکندرہ ہے جہاں شہنشاہ اکبر کا عالیشان مقبرہ ہے - اس کے آس پاس ٹوٹی ہوئی عمارتوں کے کھنڈر پائے جاتے ہیں جہاں لوگ بہت کم جاتے ہیں - کالج کی تعطیل کے موقع پر میں عموماً روزہ رکھ کر دن صرف کرنے اسی مقبرہ میں چلا جاتا اور کبھی تو مقبرہ کی چھت پر اور کبھی ان کھنڈروں میں بیٹھ کر خداوند یسوع مسیح کا دھیان کیا کرتا تھا میرے ساتھ اگناشیس لیولا کی مشہور کتاب سپریچول اکسرسائز یعنی روحانی عمل ہوا کرتی تھی جس میں خداوند یسوع کی زندگی پر دھیان اور مسیحی طریقہ سے مراقبہ کرنے کی ہدایتیں تھیں -

انہی دنوں میں ایک روز جب میں شہنشاہ اکبر کے عالیشان مقبرہ کی چھت پر بیٹھا دعا اور دھیان میں مصروف تھا ایک غیر معمولی رقت میرے قلب پر طاری تھی - میرے گناہ ایک ایک کر کے مجھے یاد آرہے تھے کہ اپنے خداوند سے کس طرح بارہا عہد شکنی کی - دنیا کو کن کن موقعوں پر دل میں جگہ دی - کتنی بار جو کام کرنا روا نہ تھے میں نے کئے - یکایک آسمان پر سامنے ایک صلیب نظر آئی اور اس پر مسیح مصلوب دکھائی دیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کتنے عرصہ تک یہ رویا میری آنکھوں کے سامنے رہی - اس رویا نے دل میں عجیب تبدیلی اور کیفیت پیدا کی - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دل کے اندر ایک آگ سلگ رہی ہے - درد اور راحت کی ایک عجیب کیفیت مجھ پر طاری تھی - میں ایک ایسے وجد اور

جذبہ کی حالت میں تھا جسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں اور ساتھ ہی نئے طور سے اپنی زندگی خداوند کے لئے مخصوص کرنے کا ایک قوی احساس پیدا ہوا۔ اس وقت کے تجربہ کی باتیں دل پر نقش کا لجر تھیں۔ جب یہ سب کچھ ختم ہو گیا اور فوراً ہی اس تجربہ کی بہتیری باتیں ایک بیاض میں میں نے قلمبند کر لیں۔ اس بیاض میں اس واقعہ کی تاریخ ۲۲ ستمبر ۱۹۹۹ء وقت ۳ بجے شام لکھی ہے اور پھر یہ دو فقرے مرقوم ہیں :-

تجھ سے ملنے کے لئے اس نے اپنے آپ کو پست کیا۔
یہ دن تمہارے لئے ایک یادگار ہوگا (خروج ۱۲ : ۱۴)

ان دو فقروں کے بعد بیاض میں گناہ کے اقرار اور زندگی کی مخصوصیت کی دعائیں اور پھر مسیح مصلوب پر دھیان کرنے کے لئے کچھ دعائیں ہیں۔ ان سے بعض دعائیں حسب ذیل ہیں۔

" اے خداوند یسوع ' میرے مبارک منجی ' میں نے بار بار تیرے خلاف گناہ کیا ہے اور اپنے وعدوں کو اور عہد کو جو بارہا آنسوؤں اور دلی توبہ کے ساتھ کیا توڑا ہے اے خداوند ' میں اپنے بیجا کاموں اور اپنے وعدوں اور عہد کو توڑنے کے باعث پشیمان ہوں۔ اور اب تیری طاقت پر بھروسہ رکھ کر تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں بالکل تیرا ہی بنا رہوں گا۔ اس لئے میں اپنے آپ کو یعنی اپنی روح اور اپنے بدن ' اپنے ذہن اور علم کو اپنے پیر اور ہاتھ کو اپنے ہونٹ اور زبان کو اپنی آنکھ اور اپنے کان کو سب کا سب اپنی زندگی کے آخر تک تیری ہی خدمت کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔ آمین "

اور پھر ذیل کی ہدایتیں اور خداوند یسوع مسیح کے دس نئے احکام جو اس

موقع پر اس نے اپنے فضل سے مجھے دیئے درج ہیں۔

" اب سے آئندہ کو تجھے کوئی حق نہیں ہے کہ اپنے جسم اور ذہن کو اپنی کسی ذاتی غرض یا اپنے جلال کے لئے استعمال کرے بلکہ جو کچھ تو کرے سب کچھ اس کے اور اس کے باپ کے جلال کے لئے ہو جس نے فرمایا کہ لوگ نیک کاموں کو دیکھ کر تمہارے باپ کی جو آسمان پر ہے تمجید کریں۔ تمہارے نئے احکام "

۱ ۔ جب کبھی اور جہاں کہیں تجھے موقع ملے آزادی سے مسیح کا اقرار کرنا۔

۲ ۔ روزانہ تو اپنی روحانی زندگی کی پرورش اسے کھا کر کرنا۔

۳ ۔ اس کی سننے کے لئے گھٹنے پر اس کی انتظاری کرنا۔

۴ ۔ اس کی ملاقات کی غرض سے تنہائی اختیار کیا کرنا۔

۵ ۔ جب آزمائش آئے اس کے چہرہ پر نگاہ کرنا۔

۶ ۔ کوئی ایسا کام نہ کرنا جو تو نہیں چاہتا ہے کہ وہ دیکھے۔

۷ ۔ کسی ایسی جگہ نہ جانا جہاں تو اسے اپنے ہمراہ نہیں لے جا سکتا۔

۸ ۔ تو کسی ایسے خیال اور حوصلہ اور خوشی اور انسیت اور کسی چیز کی محبت کو جو خود غرضی پر مبنی ہو اور جس کا مقصد وہ نہیں بلکہ تیری اپنی ذات ہو اپنے دماغ میں آنے نہ دینا۔

۹ ۔ اپنی نگاہ اور اپنے خیال کو بلا روک ٹوک ادھر ادھر بھٹکنے نہ دینا۔ ان پر اس کی مہر لگی ہے اور صرف اسی کے استعمال کی ہیں خبردار یہ مہر کسی طرح نہ ٹوٹے۔

۱۰ ۔ کبھی ایسی جگہ یا ایسی رفاقت میں حاضر نہ ہونا اور نہ ہی ایسے کھیل یا ایسی تفریح میں حصہ لینا اور نہ ہی ایسی کتاب یا رسالہ پڑھنا نہ لکھنا جو ایک لمحہ

کو بھی اسے حاسہ شعوری کے مرکز سے ہٹا دے یا اس روشنی کو جو اس سے نکل کر تیرے دل تک پہنچتی ہے منقطع کر دے ۔"

میں مسیح مصلوب کی اس رویا کی حقیقت سمجھنے اور سمجھانے سے قاصر ہوں ۔ ہمارا خداوند اب صلیب پر نہیں ہے وہ زندہ ہے ۔ لیکن کیوں اس کی رویا اس کی مصلوب ہونے کی صورت میں اکثر دیکھی جاتی ہے ' میں نہیں جانتا شاید اس لئے کہ مسیح مصلوب ہی انجیل کا مرکز ہے اور یہی خدا کی قدرت ہے جو ہم گنہگاروں کے لئے ظاہر کی گئی ۔ بہرحال اس رویا کی حقیقت خواہ کچھ ہی ہو اتنا ضرور ہے کہ اس سے زندگی میں ایک نیا تجربہ آیا اور ہر نئے تجربے کے باعث ایماندار پر ایک نئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے ' جس سے غفلت کرنے میں زندگی میں تنزلی کا امکان ہے ۔ مثلاً جب زندگی کے کسی گہرے تجربے کے سبب سے خدا کا بندہ اپنا سب کچھ خدا کے لئے مخصوص کرتا ہے اور اپنے خیال اور اپنی سمجھ کو بھی خدا کے سپرد کر کے یہ عہد کرتا ہے کہ آئندہ کوئی ایسا کام نہ کرے گا جو خداوند کی ہدایت سے نہ ہو ۔ ذہن کے اس طور سے مخصوص کرنے میں خطرہ یہ ہے کہ ایسا شخص اپنی اس مخصوصیت کو اس حد تک لے جائے کہ پھر وہ کسی قسم کی صلاح اور عقل کی بات یا کسی اور کے سمجھانے پر عمل کرنا چھوڑ دے اور خود اپنے ہی خیال کو اپنے خداوند کی ہدایت سمجھنے لگ جائے اور اس طور سے خود اپنے خیال اور خدا کی ہدایت میں امتیاز نہ کرے ۔

واقعہ مذکورہ کا تجربہ میرے لئے بھی خطرہ سے خالی نہ تھا ۔ اس تجربہ کے بعد میری روحانی زندگی کا مرکز میری مذہبی زندگی اور دھیان و مراقبہ کے وسیلہ روحانی کیفیت کا حاصل کرنا بن گیا ۔ انجیل کی منادی کی سرگرمی ٹھنڈی پڑ گئی ۔ تنہائی اور خلوت میں اپنے منجی پر دھیان و غور کرنے کے غلبہ شوق نے مسیحی

خدمت کے اور طریقوں سے روکنا شروع کیا - میری اپنی خودی جسے میں نے خداوند مسیح کے لئے مخصوص کیا تھا ' میری توجہ کا مرکز بن گئی اور ان روحوں کی فکر جو بغیر مسیح کے ہلاک ہو رہی ہیں ' جاتی رہی - اس روحانی کیفیت کو اپنے اندر ترقی دینے اور زندگی کی ایسی مخصوصیت کے خیال نے کہ روح صرف مسیح کے قدموں پر پڑی رہے اور بس مجھے رفتہ رفتہ رومی کلیسیا کی طرف لے چلی - بے چون و چرا کلیسیا کی اطاعت کرنا اور مذہب کے معاملہ میں عقل کو دخل نہ دینا بلکہ اپ ذہن بھی کلیسیائی تعلیم کے آگے اطاعت میں جھکا دینا صحیح معنوں میں مذہب کی پیروی کرنا ہے - یہ وہ مقام تھا جہاں آکر کامل سپردگی کی دھن میں کلیسیا کی ہر بات خواہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے ' میرے لئے مرتبہ وحی رکھتی تھی -

میں رومی کلیسیا کا شریک

رومی کلیسیا کے متعلق میری معلومات کا ذریعہ سب سے پہلے ایک ایسی انگریزی کتاب تھی جو فادر چینیکی نام رومن کیتھولک پادری نے رومی کلیسیا کو ترک کرکے اس کے خلاف لکھی ہے - اس کتاب کا نام " رومی کلیسیا میں پچاس سال " ہے - اس میں رومی کلیسیا کی تعلیم کی تردید میں بہت باتیں لکھی ہیں جو مصنف کے بیان کے مطابق اس کے اپنے پچاس سالہ تجربہ کا نتیجہ ہیں - اس کتاب کی کل باتیں درست ماننا میرے لئے دشوار تھا - کلیسیا کو مسیح نے اپنے بیش قیمت خون سے خریدا ہے اور اس کے لئے خداوند کا وعدہ ہے کہ عالم ارواح کے دروازے اس پر غالب نہ آئیں گے - اب یہ کیسے ممکن ہے کہ اس

کا ایک حصہ خواہ وہ رومی ہو یا یونانی ' انگریزی ہو یا ہندی اس قدر بگڑ جائے
جیسا کہ فادر چینکی نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اس لئے میری یہ
کوشش ہوئی کہ حقیقت کا پتہ لگاؤں اور رومی کلیسیا کی صحیح تعلیم کے متعلق
واقفیت حاصل کروں ۔ حسن اتفاق کہ جن دنوں میں میٹرک کے درجے میں تعلیم
حاصل کر رہا تھا ' پادری جے کنگڈن صاحب کرچن ہاسٹل کے وارڈن مقرر ہوئے
آپ بڑے دیندار اور خدا پرست مخلص تھے ۔ آپ کلیسیائی اعتقاد کے اعتبار
سے اینگلو کیتھولک تھے یعنی کلیسیائے انگلستان کے اس طبقہ کی تعلیم کو مانتے
تھے جو قریب قریب رومی کلیسیا کی تعلیم سے ملتی جلتی ہے ۔ آپ سے میں نے
کلیسیائی تعلیم کے سلسلہ میں بہت کچھ سیکھا ۔ پادری کا عہدہ ' رسولی سلسلہ '
کلیسیا کا مقام ' دعا اور عبادت کے طریقے یہ باتیں جس پیرائے میں رومی کلیسیا
مانتی ہے ' آپ نے اس کے متعلق مجھے بہت کچھ سکھایا ۔ ان باتوں سے میری
دلچسپی رومی کلیسیا سے اور بھی زیادہ بڑھ گئی ۔ سکول سے فارغ ہونے کے بعد
جب کالج گیا تو سینٹ پیٹرز کالج کے ریکٹر یعنی پرنسپل فادر نارمن سے باقاعدہ
رومی کلیسیا کے متعلق تعلیم حاصل کرنے لگا ۔ '

رومی کلیسیا کی قدامت اور وحدت نے مجھ پر بڑا اثر کیا پھر راہبوں کی
زندگی اور درویشی حلقوں نے اور بھی مجھے رومی کلیسیا کی طرف کھینچا ۔ رسولی
سلسلہ جو رومی کلیسیا کی تعلیم کے مطابق مقدس پطرس رسول تک پہنچتا ہے '
میرے لئے جاذب توجہ ثابت ہوا ۔ رفتہ رفتہ رومی کلیسیا کے اختیار و اقتدار کے
متعلق میرا اعتقاد یہاں تک ترقی کر گیا کہ صرف رومی کلیسیا ہی مسیح کی حقیقی
کلیسیا میرے لئے بن گئی اور میں ماننے لگا کہ جس طرح مسیح صاحب الوہیت
ہے اسی طرح اس کی کلیسیا بھی الہی ہے ۔ کلیسیا کی اطاعت سے انکار کرنا مسیح

کی اطاعت سے انکار کرتا ہے - مذہب کی تعلیم پر صرف اس بنا پر ایمان لانا چاہئے کہ کلیسیا کی یہ تعلیم ہے اور جو کچھ کلیسیا سکھاتی ہے گو عقل کی سمجھ سے باہر ہو بلکہ عقل کے خلاف معلوم ہو تو بھی اس پر ایمان لاکر اپنی سچی اطاعت کا ثبوت دینا چاہئے - سب سے زیادہ جس چیز نے میری روح اور میرے ذہن پر اثر کیا وہ رومی کلیسیا میں خداوند یسوع مسیح کی صلیبی موت کی اہمیت ہے - رومی کلیسیا کی مذہبی زندگی کے مرکز پر خداوند یسوع مسیح کی صلیبی موت ہے - جس قدر زور رومی کلیسیا خداوند کے دکھ اور اس کی اذیت اور پاک خون اور صلیبی موت پر دیتی ہے ' شاید ہی کوئی اور کلیسیا دیتی ہو - غرض یہ کہ ان باتوں کے زیر اثر میں نے رومی کلیسیا کے شریک ہونے کا فیصلہ کر لیا اور احباب میں اس کا اعلان بھی کر دیا -

اس موقع پر ایک پرجوش گشتی مراسلہ اپنے پروٹسٹنٹ احباب کے پاس بھیجا ' جس میں پروٹسٹنٹ فرقہ کی مذمت اور رومی کلیسیا کی خوبیوں کا ذکر تھا - مگر میرے مسیحی احباب نے مجھے اپنے ارادہ سے روکنے کی کسی قسم کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی کسی نے میرے اعتراضات کی کی تردید کرنے میں اپنا وقت ضائع کیا - پرنسپل کینن سل صاحب نے مجھے اپنے ضمیر کے مطابق عمل کرنے پر مبارک باد دی اور صلاح دی کہ رومی کلیسیا کی تعلیم کے زیر اثر میں اپنے قدیم مسیحی احباب کو غلطی پر سمجھ کر ان سے قطع تعلق نہ کروں بلکہ رومی کلیسیا کا شریک ہوتے ہوئے قدیم رفاقت کو قائم رکھوں - آپ کی اس نصیحت پر بطور رومن کیتھولک کے عمل کرنا کہاں تک میرے لئے ممکن تھا آگے چل کر واضح ہوگا - پروٹسٹنٹ کلیسیا اور کل قدیم احباب سے رخصت ہو کر ۱۹۲۱ء کو کورپس کرسٹی کے جلوس کے دوسرے دن دوبارہ بپتسمہ لے کر میں رومی کلیسیا کا

شریک بن گیا اور اس کے کچھ عرصہ بعد آگرہ کے آرچ بشپ انجیلو پولی کے ہاتھ سے مستحکم ہو کر رومی کلیسیا کی پوری شراکت میں آگیا۔

بحیثیت رومن کیتھولک مسیحی کے رومی تعلیم پر حتی المقدور پورا پورا عمل کرنے کی میں نے کوشش کی۔ رومی کلیسیا کا جب تک پیرو رہا سوائے سفر اور بیماری کے علی الصبح ماس کی نماز سے غفلت نہیں کی۔ چونکہ میرا عقیدہ تھا کہ ہر رومن کیتھولک گرجا میں جہاں الطار پر تقدیس شدہ روٹی محفوظ ہے جس کا نشان الطار کا جلتا ہوا چراغ ہے' خداوند یسوع مسیح روٹی کی صورت میں اپنی الوہیت و انسانیت کے ساتھ صحیح معنوں میں حاضر ہیں۔ اس لئے صبح کی ماس کی نماز کے علاوہ دن کو جب موقع ملتا خداوند یسوع مسیح کی پرستش اور آپ سے دعا کرنے کی غرض سے الطار کے سامنے جا کر عبادت کرتا تھا اور جب کبھی سفر میں کسی اور مقام پر جاتا تھا تو سب سے پہلے رومن کیتھولک گرجا کی تلاش کرتا اور جب تک وہاں قیام رہتا کبھی ماس کی قربانی سے غیر حاضر نہیں رہتا تھا۔ تسبیح کا استعمال نہ صرف عبادت کی موقع پر بلکہ چلتے پھرتے کیا کرتا تھا۔ مقدسوں کی مورتوں بالخصوص مقدسہ کنواری مریم کی مورت کے سامنے گھٹنے ٹیک کر دعا کیا کرتا تھا۔ پروٹسٹنٹ گرجا میں داخل ہوتا ان کی خانگی یا کلیسیائی عبادت میں شریک ہونا میرے نزدیک کبیرہ گناہ تھا۔ فادر کے پاس جا کر اپنے گناہوں' بھول چوک اور غلطیوں کا برابر اقرار کرتا تھا اور قریب قریب روزانہ پاک عشا لیتا تھا ان مذہبی رسوم کی ادائیگی اور پابندی اوقات کے باعث میری زندگی اب ایک نئے سانچے میں ڈھل رہی تھی اور یہ خیال ہی کہ میں پھر پروٹسٹنٹ طریق مسیحیت کو قبول کروں گا ناممکن معلوم دیتا تھا۔ پروٹسٹنٹ کو رومن کیتھولک بنانا میں اپنا فرض سمجھتا تھا۔ قریب چار سال تک ایک کٹر رومن کیتھولک کی

حیثیت سے زندگی بسر کرنے اور رومن کیتھولک مدرسہ سینٹ پیٹرز کالج میں اس کل عرصہ تک بطور استاد تعلیم دینے کے بعد میں نے اپنے آپ کو آگرہ کے آرچ بشپ انجیلو پولی کے سامنے پیش کیا کہ مجھے فادر یعنی رومی کلیسیا کے پادری کے عہدہ کے امیدوار کی حیثیت قبول کیا جائے۔ آرچ بشپ موصوف نے اس عہدہ کی تیاری کے لئے مجھے قبول کیا اور فادر نارمن کے جو اس وقت متھرا میں رومی کلیسیا کی چیپلن تھے، مجھے سپرد کیا کہ روم کی مدرسہ الہیات میں جانے سے پیشتر لاطینی زبان کی تعلیم حاصل کروں۔ متھرا میں فادر نارمن کی زیر نگرانی اپنا پورا وقت علمی اور روحانی تیاری میں صرف کرنے لگا۔ گرجا کی خاکروبی خود اپنی مرضی سے بلا اطلاع فادر موصوف میں نے اختیار کر لی۔ الطار کی حق برابر چوبیس گھنٹے جلتے رکھنا اور علی الصبح ماس کی نماز میں فادر کی مدد کرنا میں نے اپنے لئے فرض ٹھہرا لیا۔ متھرا میں میری زندگی ایک راہبانہ زندگی تھی لوگوں سے ملنا جلنا مطلق ترک کر دیا تھا۔

رومی کلیسا سے میری واپسی

رومی کلیسا سے باہر کہیں نجات نہیں ہے - یہی وہ عقیدہ تھا جس کی بنا
پر میں رومی کلیسا کا شریک ہوا تھا اور یہی وہ عقیدہ ہے جس کی عملی حیثیت
مجھے واپس پروٹسٹنٹ طریق پر لائی - ابتدا سے میری دلچسپی مذہبی بحث و مباحثہ کی
باتوں میں نہیں رہی اور نہ کبھی میں نے اپنے آپ کو ذہنی اور عملی اعتبار سے
اس لائق سمجھا کہ مذہبی معاملات اور مسائل کا فیصلہ محض مطالعہ کی بنیاد پر
کرسکوں - اس میں شک نہیں کہ میرے مذہبی فیصلوں میں جو میں نے خود اپنے
لئے اپنی زندگی میں کئے ' ایک حد تک مذہبی مطالعہ کا دخل ضرور ہے لیکن میرا
ذاتی مطالعہ جس نتیجہ تک مجھے پہنچاتا تھا وہ قطعی نہیں ہوتا تھا- میرے خیال میں
مذہب کا سب سے بڑا پہلو اس کی عملی حیثیت ہے جس کا تعلق روحانی تجربہ
سے ہے - جب میں رومی کلیسیا کے فادر بننے کی امیدواری کی تیاری میں
مصروف تھا تو میں اپنے ذہن میں اپنے قدیم پروٹسٹنٹ احباب کے متعلق غور و
فکر کرنے لگا - رومی کلیسیا کا چار سال کا تجربہ اور قریب نو سال پروٹسٹنٹ
مسیحیت کا تجربہ میرے سامنے تھا - رومی کلیسیا کی تعلیم کے مطابق کلیسیا (جس
سے مراد رومی کلیسیا ہے) کے باہر نجات نہیں ہے ' جس کا مطلب یہ تھا کہ
میرے کل پروٹسٹنٹ احباب نجات سے محروم تھے - ان احباب میں وہ لوگ
شامل تھے جو خداوند یسوع مسیح کی خدمت میں اپنا تن - من - دھن سب کچھ
نثار کرچکے تھے - ان کی زندگی کیسی پاک تھی - ان کی محبت اپنے آقا خداوند
منجی مسیح کے لئے کیسی بے ریا اور خدمت بے عیب تھی مگر باوجود خدا کے پاک

روح کی موجودگی کے جس کا ثبوت ان کی زندگی سے ملتا تھا وہ نجات سے محروم تھے ۔ ان احباب میں وہ اصحاب شامل تھے ' جن کے وسیلہ غیر مسیحیوں میں سے کتنے افراد خداوند یسوع مسیح کے پاس لائے گئے تھے اور ان کی خدمت اور گواہی سے وہ خداوند کے سچے پیرو بن گئے تھے مگر پھر بھی رومی کلیسیا کی اس تعلیم کی مطابق وہ نجات سے محروم تھے ۔ پروٹسٹنٹ کہلانے والے مسیحیوں کے لئے گو ان کی زندگی خواہ کیسے ہی پاکیزہ اور مخصوص اور اپنے منجی کی خدمت میں سرگرم کیوں نہ ہو مگر خداوند یسوع مسیح کا خون ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا ۔ ان کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی ۔ رومی کلیسیا کے پیرو خواہ ان کی زندگی کیسے ہی خراب کیوں نہ ہو ' وہ محض رومی کلیسیا کی اطاعت کے باعث اپنے بڑے سے بڑے گناہ سے توبہ کر کے فادر کے وسیلہ اپنے گناہوں کی معافی پا سکتے ہیں۔ قصہ مختصر کہ جن پروٹسٹنٹ ہادیان دین نے خداوند یسوع مسیح کی پہچان حاصل کرنے میں میری مدد کی تھی اور جن کے وسیلے میں نے زندگی کے اندر خدا کا فرزند ہونے کا تجربہ حاصل کیا تھا ' جن کی تعلیم نے خدا کے روح کی معموری کے تجربہ تک مجھے پہنچایا تھا اب میں بحیثیت رومن کیتھولک یہ ماننے پر مجبور تھا کہ وہ کل اصحاب نجات سے محروم تھے اور خود میرا تجربہ محض ایک دھوکہ تھا ۔ فادر بننے کا اقدام عمل مجھے اس مقام پر لے جا رہا تھا جہاں میں اپنے قدیم روحانی ہادیوں کو گمراہ بلکہ گمراہ کرنے والے سمجھنے پر مجبور تھا اور خود اپنا روحانی تجربہ جو پروٹسٹنٹ کلیسیا میں مجھے حاصل ہو چکا تھا وہ میرے لئے محض شیطانی فریب اور طلسم تھا ۔

علاوہ اس کے خداوند یسوع مسیح کی اس نجات بخش قوت کے تجربہ کے باعث جو وہ اپنے لوگوں کو دیتا رہا ہے ' کیا یہ تجربہ بھی محض رومی کلیسیا ہی کی

واحد ملکیت تھا؟ پاک کلام میں خداوند کے متعلق یہ لکھا ہے کہ " تو اس کا نام یسوع رکھنا ' کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا ۔ " اس وقت میرے سامنے یہ سوال درپیش تھا کہ کیا اس نجات کا تجربہ رومن کیتھولک ہونے سے پیشتر میں پا چکا تھا یا رومن کیتھولک بننے پر یہ تجربہ مجھے حاصل ہوا؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تجربہ زندگی میں اسی روز آ چکا تھا ' جس دن میں نے خداوند یسوع مسیح کو کلیسیائے انگلستان کے وسیلے اپنا منجی قبول کیا اور اس کے نام پر بپتسمہ لیا۔ نجات کا یہ تجربہ رومی کلیسیا کے باہر بھی بے شمار لوگوں کا ہے۔ میرے لئے اس امر کا انکار ناممکن تھا کہ میری روحانی زندگی رومی کلیسیا کے شریک ہونے سے قبل پاکیزگی اور خدا کی پہچان اور خداوند یسوع مسیح کی قربت میں خدا کے فضل سے برابر ترقی کرتی تھی بلکہ رومی کلیسیا میں پادری کے سامنے گناہ کا اقرار کر کے معافی پانا اور تقدیس شدہ روٹی کے سامنے خداوند یسوع مسیح کی حضوری ڈھونڈنا اس روحانی ترقی کے مقابلہ میں جو بحیثیت خدا کے فرزند ہونے اور پاک روح کا تجربہ میں پیشتر کر چکا تھا ' ایک طرف سے رکاوٹ تھیں ۔

کتاب مقدس کا مطالعہ ہی مجھے خداوند یسوع مسیح کی حقیقی پہچان بخشنے اور آپ کے مبارک قدموں تک لانے کا وسیلہ تھا اور رومی کلیسیا کے شریک ہونے سے قبل یہی میری روحانی غذا تھی اور زندگی میں میرے منجی مسیح کے دیدار حاصل کرنے کا ایک بڑا ذریعہ تھا لیکن جس دن سے رومن کیتھولک ہونے کا فیصلہ کیا تھا ' میں نے کبھی اس کا مطالعہ نہیں کیا ۔ کتاب مقدس کے چیدہ چیدہ اقتباسات اور دعا و عبادت کی کتابوں میں بائبل کے حصوں کے سوا خود اس کتاب کی تلاوت کبھی نہیں کی ۔ رومی کلیسیا اگرچہ صریح الفاظ میں بائبل کا

مطالعہ اپنے لوگوں کے لیے ناجائز قرار نہیں دیتی تاہم کلیسیائی تنظیم کچھ اس قسم کی واقعہ ہوئی ہے کہ صرف عبادت کے موقع پر ہی جب یہ پاک کتاب رسمی طور پر پادری پڑھتے ہیں اور کسی موقع پر اس کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ رومی کلیسیا میں دعا و عبادت کی اہمیت یعنی کسی خاص مذہبی رسم یا دعا کا ضروری اور غیرضروری ہونا مغفرت کی تعلیم سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر رومی کلیسیا کے اس تعلیم کے نقطۂ نگاہ سے بائبل کی تلاوت پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ رومن کیتھولک کی مذہبی زندگی میں اس کا مقام کس قدر ادنیٰ ہے۔ غرض یہ کہ بائبل کلیسیا میں اس کے شرکاء کی تلاوت کے لیے نہیں ہے بلکہ اس کے چیدہ مقامات محض سننے کے لیے ہیں۔

رومی کلیسیا کی شراکت سے علیحدہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ کلیسیا بحیثیت مجموعی میری نگاہ میں فاسد اور گمراہ ہے۔ رومی کلیسیا دیگر کلیسیاؤں کے ہم زبان خداوند یسوع مسیح کا اقرار کرتی ہے اور اس کے حلقہ میں مقدسوں کی ایک کثیر تعداد پائی جاتی ہے۔ کئی ایک خدا کے برگزیدہ بندوں سے جو مقدس فرانسس اسیسی کے روحانی فرزند ہیں، میری واقفیت ہے اور جن کی رفاقت کے وسیلہ میں نے خدا کی نزدیکی کا تجربہ حاصل کیا ہے۔ جنہوں نے مجھے گناہ اور گناہ کے مواقع سے نفرت کرنا سکھایا ہے اور زندگی کے ان منازل میں جہاں آزمائشیں اپنی پوری قوت کے ساتھ انسان پر حملہ آور ہوتی ہیں، انہوں نے میری رہنمائی کی ہے۔

غرض یہ کہ ایک کلیسیا ترک کر کے دوسری کلیسیا کا شریک میں اس لئے نہیں بنا کہ ایک کو دوسرے کے مقابلہ میں لاخطا اور کامل سمجھتا ہوں بلکہ کل ایمانداروں کا تجربہ خواہ وہ کسی کلیسیا کے شریک کیوں نہ ہوں، اس حقیقت

پر شاہد ہے کہ کلیسیا میں بحیثیت مجموعی غلطی اور کمزوری اور خرابی پائی جاتی ہے اور کہ عالمگیر کلیسیا کا کوئی حصہ بھی لا خطا نہیں ہے اور نہ ہی گناہ اور قصور سے بری ہے لیکن ہم تسلیم کرتے ہیں کہ کلیسیا باوجود اپنے عیوب اور کمزوریوں کے اپنے منجی مسیح کی خدمت کو پورا کر رہی ہے۔ یہ مسیح کی دلہن تو ہے مگر ابھی پورے طور پر پاک اور صاف اور بے داغ نہیں ہے۔ کلیسیا روح القدس کی جائے سکونت اور اس کا وسیلہ تو ہے مگر ابھی پورے طور پر مقدس اور کامل نہیں ہے۔ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ مسیح نے جو کلیسیا کا سر ہے "کلیسیا سے محبت کر کے اپنے آپ کو اس کے واسطے موت کے حوالہ کر دیا تاکہ اس کو کلام کے ساتھ پانی سے غسل دے کر اور صاف کر کے مقدس بنائے اور ایک ایسی جلال والی کلیسیا بنا کے اپنے پاس حاضر کرے جس کے بدن میں داغ یا جھری یا کوئی اور ایسی چیز نہ ہو بلکہ پاک اور بے عیب ہو" (افسیوں ۵: ۲۵ - ۲۷)۔ اس لئے ہم زمین پر ابھی ایسی کلیسیا دیکھتے ہیں جو پاک اور بے عیب بنائی جا رہی ہے اور اس دن کی انتظاری میں ہیں، جب ہم شہر مقدس نئے یروشلیم کو آسمان پر سے خدا کے پاس سے اترتے دیکھیں گے اور وہ اس دلہن کی مانند آراستہ ہوگی جس نے اپنے شوہر کے لئے سنگار کیا ہو (مکاشفہ ۲۱: ۲، ۳)۔ یہی ہم کل ایمانداروں کی امید ہے۔

اس لئے رومی کلیسیا کا دعویٰ کہ وہ **منزہ عن الخطا** ہے اور باقی دیگر کلیسیائیں گمراہ ہیں نہ صرف حقیقت بلکہ پاک کلام کی تعلیم کے بھی خلاف ہے رومی کلیسیا اپنی پرانی غلطیوں کو اس عقیدہ کی بنا پر تسلیم نہیں کر سکتی اور نہ ہی اصلاح کی ضرورت محسوس کر سکتی ہے مگر باقی کلیسیاؤں میں اپنی غلطیوں کا اقرار کر کے ہمیشہ اصلاح کا امکان پایا جاتا ہے۔ اس لئے پروٹسٹنٹ کلیسیائیں جو ان

ایمانداروں کی جماعتیں ہیں ' جنہوں نے برہ کے خون سے نجات کا تجربہ حاصل کیا ہے ' اپنے آقا کے سامنے اپنی خطاؤں اور غلطیوں کے ماننے اور اس کی ہدایت پر چلنے کے لئے ہمیشہ مستعد ہیں -

رومی کلیسا سے میتھوڈسٹ کلیسیا کی شراکت و خدمت

رومی کلیسیا کی شراکت سے علیحدگی کے بعد کچھ عرصہ تک میں کسی کلیسیا کا شریک نہ بنا اور پھر میں نے اپنے آپ کو ایک نئی دنیا میں پایا لیکن اس نئی دنیا میں بھی خدا نے مجھے ترک نہیں کیا اور نہ ہی بے سرو سامان چھوڑا - عین جن دنوں میں رومی کلیسیا سے علیحدہ ہو رہا تھا ' انہی دنوں میں یرو شلیم کانفرنس کی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کہ مسلمانوں میں مسیحیت کی تبلیغ کے لئے مبلغوں کو خاص تیاری کی ضرورت ہے ' بریلی کے مسیحی مدرسہ الہیات (بریلی تھیولاجیکل سیمنری) میں ایک خاص شعبہ اسلامیات قائم ہو رہا تھا - رومی کلیسیا کے باہر باقی مسیحی دنیا سے میں بالکل بے خبر تھا اور مجھے مطلق علم نہ تھا کہ میرا مستقبل کیا ہو گا - سینٹ پالز ہائی اسکول کلکتہ کے ایک استاد مسٹر پی - ڈبلیو - بین کے وسیلہ جو میرے بھی استاد رہ چکے تھے ' نیشنل کرسچن کونسل کے سیکرٹری مسٹر ولیم پیٹن سے میرا تعارف ہوا - انہوں نے میرا تعارف میتھوڈسٹ کلیسیا کے ایک مشنری پادری ایم ٹی ٹائیٹس سے کرایا ۔ بریلی سیمنری کے شعبہ اسلامیات کے لئے ایک مدرس اعلیٰ کی تلاش میں تھے چنانچہ ۱۹۲۵ء کی پہلی اگست کو شعبہ اسلامیات کے مدرس کی حیثیت سے میں

بریلی آیا اور اس سلسلہ میں میتھوڈسٹ کلیسیا سے پہلی مرتبہ میری قریبی ملاقات ہوئی۔

بریلی آ کر میں ایک اور نئی دنیا میں داخل ہو رہا تھا۔ یہاں کی مسیحی جماعت اور ان کا مذہبی تخیل پہلی دو جماعتوں یعنی کلیسیائے انگلستان اور رومی کلیسیا کے لوگوں سے بہت باتوں میں مختلف تھا۔ زندگی میں یہ تیسرا موقع تھا کہ کلیسیائی اعتبار سے میں اب پھر اجنبی لوگوں کے درمیان تھا۔ بریلی سیمنری میں صرف پادری ایچ۔ ایس پیٹرز ہی میرے پرانے واقف تھے جو طالب علمی کے ایام میں جب مسٹر پیٹرز لکھنؤ کرسچن کالج میں اور میں سینٹ جانز کالج آگرہ میں پڑھتا تھا، موسم گرما کی تعطیل کے موقع پر نینی تال میں ہماری ملاقات اکثر ہوا کرتی تھی اور آپ کی دوستی کا مجھے شرف حاصل تھا۔ بریلی سیمنری میں میری آمد پر جو مسرت آمیز حیرت آپ کو ہوئی اس کا اظہار آپ نے خط کے ذریعہ کیا جو جبل پور کے مدرسہ الہیات سے آپ نے مجھے بھیجا تھا جہاں آپ الہیات کی تحصیل کے لئے بریلی سیمنری کے اسٹاف سے گئے تھے۔ اجنبی مقام اور اجنبی لوگوں میں آپ نے اپنی پر محبت رفاقت کے وسیلہ اور ہمیشہ میری امداد پر مستعد رہ کر میتھوڈسٹ کلیسیا کی برادری میں آپ میرے بھائی ثابت ہوئے۔

ہندوستان میں میتھوڈسٹ کلیسیا کا بنیادی ستون ۱۸۵۶ء کو بریلی میں رکھا گیا تھا اور اس لحاظ سے میتھوڈسٹ کلیسیا سے واقفیت حاصل کرنے کا یہ بہترین مقام ہے۔ جب اس کلیسیا میں بحیثیت مدرس کے میں نے خدمت شروع کی تو میتھوڈسٹ سے مجھے کوئی لگاؤ نہیں تھا اور نہ ہی اس کی تعلیم سے واقف تھا لیکن یہاں میتھوڈسٹ کی جماعت میں ایسے بزرگوں کی رفاقت کے

وسیلہ جن میں بریلی سمنری کے پرنسپل پادری جیمس دیوا واسن اور پادری ایچ ۔ جے شٹنس ' پادری پی ۔ ایس ہائیڈس ' پادری ایچ ۔ ایس پیٹرز صاحبان جو سمنری کے اسٹاف پر تھے اور پھر پادری البرٹ گلاب جو کلیسیا کے پادری تھے ' اس کلیسیا کے متعلق روز بروز نہ صرف معلومات بلکہ میرے تجربہ میں بھی اضافہ ہوتا گیا ۔ بالخصوص پادری البرٹ گلاب نے جو اپنی کلیسیا کی روحانی بہتری کی کوشش میں ہمیشہ رہتے تھے ' خاص دلچسپی میری زندگی میں لی اور میتھوڈسٹ کلیسیا کی گہری رفاقت میں مجھے آپ رفتہ رفتہ لے آئے یہاں تک کہ آخرکار آپ کی زیر تعلیم اور ہدایت میں اس کا شریک بنا اور یوں خداوند یسوع مسیح کی عالمگیر کلیسیا کے اس حصہ میں جسے میتھوڈسٹ کہتے ہیں ' میں نے اپنی سکونت اختیار کی۔ اس لئے ضرور ہے کہ جب تک ہمارا سردار گلہ بان ظاہر نہ ہو ہم اس کے گلہ کے کسی نہ کسی جھنڈ میں شریک رہیں اور اس دن کی راہ دیکھیں جب ایک ہی گلہ اور ایک ہی چرواہا ہوگا ۔

بریلی میری زندگی کے سفر کی ایک اور منزل تھی۔ زمین پر ہر مقام سکونت میرے لئے زندگی کے سفر کی گو ایسی منزل ثابت ہوئی ہے جہاں سے میں اپنے آسمانی وطن کے قریب پہنچتا جاتا ہوں تو بھی ہر ایسی منزل میں اپنے آسمانی باپ کے گھر سے بھٹک کر دور نکل جانے کا بھی امکان رہا ہے لیکن خداوند یسوع مسیح کا شکر ہو کہ آپ نے اپنی زندگی اور موت کے وسیلے آسمانی راہ اور آسمانی وطن اس طرح ایک کر دیا ہے کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ راہ کہاں ختم ہوتی اور وطن کی حد کہاں شروع ہوتی ہے۔ کیونکہ اگرچہ ہمارا وطن آسمان پر ہے لیکن اسی زمین پر اس اپنے آسمانی وطن سے اپنے منجی کے انتظار میں ہیں (فلپیوں ۳ : ۲۰) اور یوں آسمانی اور زمینی زندگی امتیاز ' موت کے اس پار اور اس پار کا فرق

خداوند یسوع مسیح کے وسیلے مسیحی مذہب نے مٹا ڈالا ہے۔ زمین پر اور موت کے اس پار کی زندگی انسان کے لئے آسمانی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ آسمان پر اور موت کے اس پار کی زندگی کا انحصار اسی دنیوی زندگی پر ہے۔

مسافرت کے اس نئے مقام بریلی میں زندگی نے ایک مستقل صورت اختیار کی۔ میتھوڈسٹ کلیسیا کی موافق فضا نے طبیعت میں ایک سکون پیدا کر دیا۔ مسیحیت قبول کرنے کے وقت سے لے کر قریب چودہ سال تک خانہ بدوش رہنے اور حالت تجرد میں زندگی بسر کرنے کے بعد ۱۹۳۶ء کی ۲۱ اکتوبر کو شمالی ہند کے ایک مسلم مسیحی خاندان سنکلرڈے کے گھرانے میں اس مسیحی خاتون سے شادی کی جن کے والد جان سنکلرڈے تھے۔ وہ مختلف مسیحی مدرسوں میں مثلاً اجمیر، الٰہ آباد اور لکھنؤ میں بحیثیت استاد کے خدمت کر چکے تھے۔ ان کا اس زمانہ میں انتقال ہو چکا تھا، اس لئے مس سنکلرڈے کے چچا والڑ سنکلرڈے گورنمنٹ ایڈووکیٹ ہائیکورٹ مقیم آگرہ کے توسط سے یہ رشتہ قرار پایا اور بریلی کے میتھوڈسٹ گرجا میں بدست پادری البرٹ گلاب اور ڈسٹرکٹ مشنری پادری جے۔ این وسٹ جوڑا گیا۔

میری روحانی زندگی کی کہانی کے اس موقع پر واقعہ مذکورہ کا تعلق ازدواجی زندگی سے ہے، ممکن ہے کہ بعض کے خیال میں روحانی زندگی کی ترقی کے غیر موافق معلوم دے کیونکہ بعضوں کے خیال میں متلاشی حق جتنا خدا کی پہچان اور اس کی قربت میں ترقی کرتا ہے اتنا ہی وہ دنیا کی چیزوں سے دور ہوتا جاتا ہے بلکہ یہی روحانی زندگی کا معیار ہی بعض کے نزدیک زہد اور ترک دنیا ہے لیکن اگر بنظر غور دیکھا جائے تو مذہبی زندگی دنیا سے علیحدہ ہو کر زاویہ نشینی میں حقیقی طور سے بسر نہیں کی جاتی بلکہ دنیا میں رہ کر، خلوت نشینی میں نہیں بلکہ خلق اللہ

کے پہلو بہ پہلو دنیا کی روزانہ کشمکش حیات اور مسائل معاش کے درمیان توکل علی اللہ اور ایمان اور اعتقاد اور صبر اور برداشت اور تحمل اور عفو جیسے اخلاقی صفات کی صحیح جانچ ہوتی ہے اور ہر جانچ ترقی کا باعث بنتی ہے۔ اسی واسطے منجی عالم کی اس آخری دعا میں جو آپ نے اپنے لوگوں کے لئے کی، یہ فقرہ پایا جاتا ہے " میں یہ درخواست نہیں کرتا کہ تو انہیں دنیا سے اٹھا لے بلکہ یہ کہ اس شریر سے ان کی حفاظت کر" (یوحنا ۱۷: ۱۵)۔

یہ سچ ہے کہ دنیا میں رہ کر مذہبی یا روحانی زندگی بسر کرنے سے ازدواجی زندگی ہی مراد نہیں ہے، بلکہ خداوند یسوع مسیح کے بہتیرے سچے خادم حالت تجرد میں دنیا کے اندر رہ کر خلق اللہ کی خدمت اور خدا کے جلال کے لئے زندگی بسر کرتے آئے ہیں اور کر رہے ہیں لیکن اس قدر ضرور ہے کہ مسیحی زندگی خواہ حالت تجرد کی ہو یا حالت ازدواجی کی خداوند یسوع مسیح کی حضوری سے بھرپور ہو۔ اسی لئے پاک کلام کہتا ہے " تم اپنے آپ کو آزماؤ کہ ایمان پر ہو یا نہیں۔ اپنے آپ کو جانچو۔ کیا تم اپنی بابت یہ نہیں جانتے کہ یسوع مسیح تم میں ہے ورنہ تم نامقبول ہو" (۲۔ کرنتھیوں ۱۳: ۵)۔

پس حقیقی مسیحی زندگی میں اگر خدمت خلائق کی خاطر اور خدا کے جلال کے لئے تنہا تجرد کی حالت میں زندگی بسر کرنے کی گنجائش ہے تو اسی طرح مسیحی خاندان کی بھی ایک لاثانی جگہ ہے۔ مسیحی گھرانے میں میاں بیوی کا رشتہ ایک چھوٹے پیمانہ پر اس بڑے اور اعلیٰ رشتہ کا عکس ہے جو مسیح اور کلیسیا کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اسی واسطے مسیحی تعلیم کے مطابق بیاہی زندگی ایک عزت والی حالت ہے جسے خود خدا نے مقرر کیا اور اسے برکت دی اور پھر اس پر اسرار یگانگت کی علامت ہے جو مسیح اور کلیسیا کے درمیان پائی جاتی ہے۔

مسیحی زندگی کا ایک اور انکشاف

مسیحی زندگی کے تجربہ میں زندگی کی مسافرت کی ہر منزل پر ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ میرا اعتقاد ہے کہ زندگی کی اس منزل پر بھی جسے عوام زندگی کی آخری منزل سمجھتے ہیں اور جس کا نام موت ہے میرے لئے ایک اور نئی زندگی کا آغاز ہو گا جہاں ان چیزوں کے تجربہ سے گذروں گا "جو نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں نہ آدمی کے دل میں آئیں" (۱۔ کرنتھیوں ۲ : ۹)۔ اگر میری زندگی اب تک ایک لحاظ سے اپنی ہی ذات سے وابستہ تھی اور ایک ایسے سفر کی مانند تھی جہاں اپنے ہمسفر ساتھیوں کی تکالیف اور کشمکش حیات اور ان آزمائشوں سے جنہیں گھریلو زندگی کے لوگوں کو مقابلہ کرنا پڑتا ہے اب تک صحیح معنوں میں میں نا آشنا تھا تو اب حقیقی معنوں میں اپنی زندگی اس سطح پر بسر کرنے لگا' جہاں عوام الناس بستے ہیں۔ مسیحی مذہب کی معنوی باتوں کو روزمرہ کی معمولی زندگی اور زندگی کی مشکلات سے تصادم کے موقعوں پر عملی صورت میں لانے کا موقع مل رہا ہے اور مسیحی اخلاق کی جانچ ہر قدم پر ہو رہی ہے اور ہر جانچ جس پر میں پورا اترتا ہوں' مسیحی زندگی کی ترقی کا سبب بن رہا ہے۔ اگر اب تک کی زندگی اس اونچے پہاڑ کی مانند تھی جہاں خداوند یسوع مسیح کے خاص شاگردوں کے سامنے آپ کی صورت بدل گئی اور آپ کا چہرہ سورج کی مانند چمک گیا اور آپ کی پوشاک نور کی مانند ہو گئی اور جہاں موسیٰ اور ایلیاہ آپ کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے دکھائی دیئے اور جہاں پطرس نے کہا اے خداوند! ہمارا یہاں رہنا اچھا ہے تو اب زندگی ایسی ہے کہ جب خداوند

شاگردوں کو لے کر پہاڑ سے اترا تو پہاڑ کے دامن میں پریشان بھیڑ ' بے اعتقادی اور اضطراب کی کیفیت میں تھی اور باقی شاگردوں کی ناکامی تھی ' جہاں زندگی غیر معمولی نہیں بلکہ معمولی حالت پر بسر ہو رہی تھی مگر جسے صحیح طور پر بسر کرنے کے لئے غیر معمولی طاقت اور خداوند کی شفا بخش قدرت کی ضرورت تھی (متی ۱۷:۱-۲۱)۔

بعض کے نزدیک مذہبی زندگی کا تعلق دن اور سال کے خاص اوقات سے ہے اور بعض خاص مقامات مقدسہ اور عبادت گاہ کا بھی ان اوقات معینہ پر اضافہ کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ دن اور رات میں خاص اوقات کا خدا کی پاک حضوری میں بسر کرنا ضروری ہے جہاں بیٹھ کر یہ اوقات گذارے جائیں گے۔ خدا کی حضوری کے خاص احساس کے باعث ان مقامات کے لئے خواہ گھر کا کونہ ہی کیوں نہ ہو ' دل میں ایک بڑی اہمیت اور تکریم پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مذہبی زندگی کا تجربہ انہی اوقات اور مقامات تک ہی محدود ہو ' بلکہ چاہئے کہ ان مبارک ساعتوں کی برکتیں اور فیوض دن اور رات کے باقی معمولی کاموں میں بھی جاری رہیں اور زندگی کے کل کام ان سے مستفیض ہوتے رہیں۔ خدا کے پاک حضور اس کی رفاقت میں جو ساعت ہم گذارتے ہیں ان سے زندگی کے باقی کاموں کو صحیح طور سے اور دیانتداری اور وفاداری سے کرنے کی قوت ملتی ہے ان معنوں میں مذہبی زندگی ایک قوت والی زندگی ہے کیونکہ اپنی روحانی زندگی کے وسیلہ ہم الٰہی قوت کو حاصل کرتے ہیں جس کا استعمال ہماری روزمرہ کی زندگی میں ہوتا ہے اور اس غیر معمولی قوت کے باعث دنیا کے معمولی کام بھی غیر معمولی بن جاتے ہیں۔ اس پہاڑ کی چوٹی پر سے جہاں الٰہی رفاقت میں مسیح کا جلال ہم دیکھتے ہیں روزانہ زندگی کی وادی میں ہم بھیجے

جاتے ہیں تو اس جلالی رویا کی قوت سے معمور ہو کر نیچے اترتے ہیں تاکہ دنیا کی کڑی سے کڑی صعوبتوں اور دقتوں کا مقابلہ کرنے کی ہم میں طاقت ہو اور رفتہ رفتہ جب ہم خدا کی حضوری میں زندگی بسر کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں تو دینی اور دنیوی کاموں کا امتیاز اٹھ جاتا ہے اور ہم دین کو دنیا میں لے آتے ہیں اور دنیا کے تفکرات اور مشاغل اور فرائض اور ذمہ داری کے بوجھ کو دین میں خدا کے حضور لے جاتے ہیں۔

ایک مسیحی کی جسمانی زندگی پاک روح کی حضوری کے سبب الٰہی زندگی کے ظہور کا وسیلہ بن کر کل انسانی کاموں کو خواہ وہ انسانی اصطلاح میں دنیوی ہوں ان کو روحانی بنا دیتی ہے۔ "کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارا بدن روح القدس کا مقدس ہے جو تم میں بسا ہوا ہے ؟" (۱۔ کرنتھیوں ۶ : ۱۹)۔ اور اسی لئے مقدس پولس کی یہ صدا ہے۔ "اب میں زندہ نہ رہا بلکہ مسیح مجھ میں زندہ ہے" (گلتیوں ۲ : ۲۰)۔ یہ ہے وہ سبق جو بریلی کے مدرسہ الہیات میں جہاں معلم کی حیثیت سے میں نے اپنی خدمت شروع کی مگر متعلم کی حیثیت سے خدا روح پاک کے قدموں پہ اس نئی زندگی کے دوران میں جس کا آغاز بریلی میں ہوا میں نے سیکھا۔

میری مسیحی زندگی کا نیا مفہوم

کلیسیائے روم کی شراکت سے علیحدہ ہونے کے بعد اپنی والدہ اور بھائیوں کی دعوت پر کلکتہ کی طرف رخ کیا کہ جب تک خدا کسی مستقل انتظام کی صورت میرے لئے پیدا نہ کر دے، عارضی طور پر ان کے ساتھ قیام

کروں۔ ریل میں بیٹھا سفر کر رہا تھا اور تیسرے درجہ کے ڈبہ کی کھڑکی سے دور اور پاس کے ان مناظر کو سطحی نگاہ سے دیکھ رہا تھا جو برسوں کے دوران میں متواتر اس لائن پر آگرہ اور کلکتہ کے درمیان سفر کرنے کے باعث دیکھا کرتا تھا ریل بڑی تیزی سے اب فتح پور پار کر کے آگے نکل چکی تھی۔ وقت کاٹنے کی غرض سے میں نے سگریٹ کا ٹین اٹھایا اور دیا سلائی کی ڈبیہ ہاتھ میں لی۔ سگریٹ نوشی کی ابتدا میری زندگی میں اس وقت سے ہوئی تھی جب رومی جیسا کے بعض فادروں نے اس عادت کو ایک بے ضرر شوق کہہ کر مجھے اس کی تلقین کی تھی۔ تب سے تین سال کے عرصہ میں ہر قسم کے تمباکو کا سوائے حقہ کے ہر موقع پر استعمال کیا تھا۔ لیکن اس موقع پر جب ریل کا یہ سفر مجھے گھر کی جانب لے جا رہا تھا، مجھے اپنی والدہ اور اپنے بھائیوں کا خیال آیا۔ میری والدہ کے نزدیک یہ عادت مذمومہ ہے اور میرے بھائی اسے معیوب سمجھتے ہیں اور پھر میں بحیثیت مسیح کا پیرو ہونے کے اس معاملہ میں ان سے کس طرح کم رہ سکتا ہوں؟ مسیح کا پیرو ہو کر میری زندگی کا روحانی معیار کیا اوروں سے اونچا ہونا چاہئے؟ اسی خیال کی محویت کے دوران میں نے اپنی نگاہ اوپر کی طرف اٹھائی اور اپنے مبارک منجی کے پاک ہونٹوں کو دیکھا جن کی پاکیزگی نے ایک نئی قوت اور مسرت کی لہر میرے اندر دوڑا دی اور آپ کے مقدس چہرہ انور کو تکتے ہوئے اپنے ہاتھ سے سگریٹ کا ڈبہ اور دیا سلائی سب کچھ کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ سگریٹ پینے والے عموماً کہتے ہیں کہ یہ عادت مشکل سے چھوٹتی ہے مگر تین سال کی عادت کا زور ایک لمحہ میں ٹوٹ گیا۔ صرف ایک نگاہ کافی تھی۔

یہ واقعہ میری کل زندگی کی تفسیر ہے جو میں مسیح میں بسر کر رہا ہوں۔ مسیحی مذہب کا قبول کرنا میرے لئے مذہب کے چند ارکان اور عقائد کو محض ذہنی

طور پر تسلیم کرتا نہیں ہے۔ بیشک عقائد کو مسیحی زندگی میں دخل تو ہے مگر سب سے مقدم بات اپنی زندگی خداوند یسوع مسیح کے سپرد کرنا ہے تاکہ وہ میری زندگی کو تبدیل کر کے میری کمزوری کو اپنی طاقت سے بدل دے۔ مسیحیت عمدہ اور نیک باتوں پر عمل کرنے کی محض تلقین نہیں کرتی بلکہ مسیح کے وسیلہ نیک بننے کی قوت بھی بخشتی ہے اور مسیح زندگی کی ان تمام باتوں پر غالب آنے کی قوت عطا کرتا ہے جو زندگی کو بگاڑتیں اور برباد کرتی ہیں اور دل میں ایسا فضل اور اطمینان دیتا ہے جس کے وسیلہ فتح مند زندگی بسر کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ یوں مسیحی زندگی کا تجربہ بتاتا ہے کہ مسیحیت مسیح ہے اور مسیحی ہونے کا مطلب اس کی رفاقت میں اس طرح زندگی بسر کرنا ہے کہ جب آزمائش سے مقابلہ ہو اور شک اور مایوسی اور غم اور صعوبتیں ہر طرف سے حملہ آور ہوں تو اس کے چہرہ کو دیکھنا اور سب کچھ اس کے سپرد کر دینا ہے۔ پھر وہ سب کچھ جیسا مناسب سمجھتا ہے کرتا ہے۔ میری بہتیری حاجتیں اسکے فضل کے مختلف طریقوں سے پوری ہوتی ہیں۔ جب زندگی کے سفر میں کسی طویل اور تنگ و تاریک اور پرخوف راہ سے گذر ہوتا ہے تو اس کے پاک ہاتھ کی مضبوط گرفت یقین دلاتی ہے کہ سب ٹھیک ہے اور میری روح پکار اٹھتی ہے " خواہ موت کے سایہ کی وادی میں سے میرا گذر ہو' میں کسی بلا سے نہیں ڈروں گا کیونکہ تو میرے ساتھ ہے " (زبور ۲۳ : ۴)۔ جب تلخ مزاجی پر طبیعت مائل ہوتی ہے تو اس کے صبر سے مجھے مدد ملتی ہے۔ جب کسی کے ساتھ سختی سے پیش آنے کی طبیعت کرتی ہے تو اس کا حلم مجھے روکتا اور حلیم بناتا ہے۔ جب ناپاکی حملہ کرتی ہے تو اس کی لا انتہا جلال والی پاکیزگی میری سپر بن جاتی اور مجھے بچاتی ہے۔ جب لوگ مجھے حقیر سمجھتے اور دوست مجھے تنہا چھوڑ دیتے ہیں تو وہ ایسے موقع پر میرے لئے

خدا کی ایسی بیش بہا بخشش ہے جس پر بھروسہ کر سکتا اور جس میں پناہ لیتا ہوں

جب زندگی کی اس راہ پر پیچھے نظر ڈالتا ہوں جو اب تک طے کر چکا ہوں تو اس راہ پر اپنی ناکامیوں اور اپنے گناہوں اور قصوروں کو بکھرا پاتا ہوں۔ اس راہ کی ایک ایک منزل میرے گناہ اور میری خطا کے نشانوں سے داغدار ہے لیکن ہر نشان پر اس کی قدرت اور فضل کے غلبہ کا پرچم بھی لہرا رہا ہے۔ جب میں گرا اس نے اٹھا کر کھڑا کیا' جب میں کمزور ثابت ہوا اور زندگی کی راہ پر چلنے سے معذور ہو گیا' اس نے قوت بخشی اور چلنے بلکہ پرواز کرنے کی توانائی دی۔ اس لئے مکرر کہتا ہوں کہ مسیحیت مسیح ہے اور مسیحی ہونا مسیح کو قبول کرنا ہے۔ مسیحیت مذہب کے چند اصولات پر محض ایمان لانا نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ ہی ساتھ یہ ایک زندگی ہے جسے بسر کرتا ہے۔

مسیح کو قبول کرنے سے پیشتر نیکی اور بھلائی کا تصور میرے نزدیک سلبی تھا مثلاً جھوٹ کا نہ ہونا سچائی کہلاتی تھی۔ ناپاکی کی عدم موجودگی کا نام پاکیزگی تھا۔ ناراستی کی نفی راستبازی تھی علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن مسیح میں کل نیکیوں اور خوبیوں کو ان کی اثباتی اور ابدی حیثیت اور جلال میں اس طرح پاتا ہوں کہ انسانی ذہن پورے طور سے ان کا تصور کرنے سے قاصر ہے۔ مسیح محض راستبازی کرنے والا نہیں بلکہ خود راستبازی ہے۔ وہ صرف محبت کرنے والا نہیں بلکہ خود محبت ہے وہ صرف پاک نہیں بلکہ خود پاکیزگی ہے اور جس طرح اس کی الوہیت لا انتہا اور ابدی ہے' اسی طرح اس کی یہ صفات بھی لا انتہا اور ابدی ہیں۔ اس لئے محبت' پاکیزگی اور راستبازی اس میں لامحدود اور لازوال طریقے سے موجود ہیں اور مسیح میں ہو کر ان صفات کا تجربہ پہاڑ کی چڑھائی کے تجربہ کی مانند ہے کہ اس کی ہر پیش نظر چوٹی کے پار ایک اور چوٹی ہماری نگاہ سے اوجھل مگر اس سے

بلند ہوتی ہے۔ جب ہم ہمالیہ کی ایک چوٹی کو طے کر لیتے ہیں تو پھر دوسری جو اس سے بھی بلند ہے سامنے آتی ہے اور پھر تیسری اور چوتھی۔ یہاں تک کہ ایورسٹ کی دائمی برفانی چوٹی کے دامن میں کھڑے ہو کر ہم ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی کو صرف تکتے اور آگے بڑھنے سے معذور ہو کر رک جاتے ہیں۔ یہی حال مسیح میں روحانی تجربہ کا ہے کہ ایک تجربہ اس سے زیادہ وسیع اور گہرے تجربہ تک لے جاتا ہے اور ہر تجربہ کو انسان کے محدود معیار کے سامنے پورا نظر آتا ہے مگر جب اس تجربہ تک ہم پہنچ جاتے ہیں تو ایک اور وسیع منظر خدا کی محبت' پاکیزگی اور راستبازی کا سامنے دکھائی دیتا ہے اور یوں جب تک "کامل انسان نہ بنیں یعنی مسیح کے پورے قد کے اندازے تک نہ پہنچ جائیں" (افسیوں ۴: ۱۳)۔ مقدس پولس کے ساتھ ہم بھی یہی کہتے ہیں "یہ غرض نہیں کہ میں پا چکا یا کامل ہو چکا ہوں' بلکہ اس چیز کے پکڑنے کے لئے دوڑا ہوا جاتا ہوں' جس کے لئے مسیح یسوع نے مجھے پکڑا تھا۔ اے بھائیو! میرا یہ گمان نہیں کہ پکڑ چکا ہوں بلکہ صرف یہ کرتا ہوں کہ جو چیزیں پیچھے رہ گئیں' ان کو بھول کر آگے کی چیزوں کی طرف بڑھا ہوا نشان کی طرف دوڑا ہوا جاتا ہوں" (فلپیوں ۳: ۱۲۔ ۱۴) اور اس دوڑ کی ہر منزل اور اس روحانی تجربہ کے پہاڑ کی ہر چوٹی پر ہم مسیح کی لاانتہا خوبی کو دیکھتے اور بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں "واہ مسیح کی بے قیاس دولت!"

زیرِ نظر کتاب میں مُصنّف نے نہ صِرف اپنے
اِبتدائی خاندانی حالات کو بے کم و کاست بیان کیا
بلکہ زِندگی کے اُن تجربات اَور منازِل کا بھی تذکرہ
کیا جِن میں سے ایک حق کے مُتلاشی کو اکثر گُذرنا
پڑتا ہے۔ اِس میں وُہ اپنی کمزوریوں اَور ناکامیوں
اَور ساتھ ہی خُدا کے فضل کا ذکر بھی کرتا ہَے
جِس نے اُسے اُن کمزوریوں پر غالب آنے
کے قابل بنایا۔ چنانچہ اپنے تجربات کا نچوڑ
وُہ یُوں بیان کرتا ہے کہ "مسیحیت مسیح ہَے
اَور مسیحی ہونا مسیح کو قبول کرنا ہَے"۔